اشاعت نمبر:۱۵۶

تدریب الافتاء جامعہ جمبوسر، سالِ دوم، کے طلبہ کا سندی مقالہ

اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام

مرتب

مفتی زید احمد آبادی، متعلم تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر

حسبِ ایماء وارشاد

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم
بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر

زیر نگرانی

مفتی فرید احمد کاوی

ناشر:
جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، ضلع بھروچ، گجرات، الہند

اشاعت نمبر: ۱۵۶

تدریب الافتاء جامعہ جمبوسر، سال دوم، کے طلبہ کا سندی مقالہ

اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام

مرتب

مفتی زید احمد آبادی، متعلّم تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر

حسبِ ایماء وارشاد

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم

بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر

زیر نگرانی

مفتی فرید احمد کاوی

ناشر:

جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، ضلع بھروچ، گجرات، الہند

◆ کتاب کا نام: اجارہ اوراس کی جدید صورتوں کے احکام

◆ مرتب: مفتی زید احمد آبادی
متعلّم تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر

◆ حسب ایماء وارشاد: حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم
(بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن، جمبوسر)

◆ زیر نگرانی: مفتی فرید احمد کاوی، مدرس جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

◆ سن اشاعت: ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۸

◆ اشاعت نمبر: ۱۵۶

◆ ناشر: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

JAMIA ULOOMUL QURAN, JAMBUSAR
AT.PO. JAMBUSAR. DIST : BHARUCH.
GUJARAT. INDIA. 392150
TEL : 02644-220786
jamiahjambusar@gmail.com

فہرست مضامین

افتتاحیہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

آدمی کی املاک اوراس کی اپنی ذات؛ اللہ تعالی نے دونوں میں متعدد قسم کے منافع اورفوائد رکھے ہیں، جن سے انسان براہِ راست بھی مستفید ہوتا ہے اور بالواسطہ یعنی یہ منافع دوسروں کواجرت پر دے کر بھی۔ حتی کہ عورت کا دودھ بھی اس کی منفعت ہے، اورقرآن کریم نے مرضعہ کواس کی اجرت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

ویسے تو اجارہ اوراجرت کا سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زمانۂ قدیم کے جاگیردارانہ نظام میں اجرت کا تصور برائے نام تھا، وہ اجارہ کم اور بیگار زیادہ ہوتا تھا، پھر اسلامی تعلیمات نے مزدور کے حقوق اوراجرت کے استحقاق کا ایک نیا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہی وہ اسلامی تعلیمات ہیں جس کے ذریعہ امیر وغریب میں مساوات قائم کی گئی، اورانسان کوانسان کی غلامی سے آزاد کر کے تمام کوایک خدا کی غلامی میں برابر قرار دیا گیا۔ بہرحال اجارہ اوراجرت سے متعلق اسلام کا اپنا مستقل نظریہ اورفلسفہ ہے، جس میں دونوں فریق کے حقوق کی رعایت کے ساتھ معاشرہ کی اِس معاشی ضرورت کو بھی شریعت کے دائرے میں لاکر اسلام کے منصفانہ اورعادلانہ نظام کے تابع کردیا گیا ہے۔

ہمارا یہ دور معاملات کے اعتبار سے یقیناً 'دورِ جدید' کہے جانے کے قابل ہے، معاملات اورعقود کے پرانے طریقے یکسر تبدیل ہورہے ہیں ، بلکہ ایک سے زائد معاملات کی ترکیب سے نئے جامع اور وسیع معاملات سامنے آرہے ہیں، اوراب تو لوگ تمام امور میں 'سنگل ونڈو سسٹم' چاہتے ہیں۔

اس صورتِ حال نے اجارہ کی انواع واشکال میں بہت تنوع پیدا کردیا ہے، جس کی وجہ سے شرعی حکم سمجھنے اوردریافت کرنے میں بھی بڑی الجھن پیش آتی ہے، اس لیے دورِ جدید میں مروج اجارہ کی شکلیں سمجھنے اوران کے شرعی حکم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے فقہاء اورمفتیانِ کرام پرلازم ہے کہ خصوصی توجہ صرف کریں اوربحمداللہ عالم اسلام کے فقہاء اورمفتیانِ کرام اس کام سے غافل بھی نہیں۔

اجارہ پر مشتمل عقود اگرمعاشرہ کی ضرورت ہےتو اس کے احکام کی جستجو کرنا اور اس کے لیے افراد تیار کرنا بھی ؛علماء وفقہاء کی ذمہ داری ہے، اوراسی ضرورت وذمہ داری کو سامنے رکھتے ہوئے تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر،سال دوم ۱۴۳۹ھ. کے طالب علم عزیزم مولوی مفتی زیداحمدآبادی سلمہ(فاضل جامعہ جمبوسر) کواجارہ اوراس کی جدیدصورتوں کے فقہی احکام سے متعلق مقالہ تحریرکرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، اور اب یہی مقالہ علمِ فقہ کے خوشہ چینوں اورارباب ِافتاء کی خدمت میں پیش کرکے درخواست کرتے ہیں کہ اگراس میں کوئی بات محل نظر ہوتو اصلاح سے متعلق ضرور مطلع فرمائیں گےاوراگرکچھ کام کی بات پہنچانے میں ہم کامیاب ہوئے ہیں تو دعافرمائیں کہ اللہ تعالی جامعہ کی اس خدمت کوقبول فرمائے۔

دعاکرتا ہوں کہ اللہ تعالی موصوف کی محنت کواصابت واجابت سےنوازے اور ان کاعلمی مستقبل روشن وتابناک بنائے۔آمین۔

مفتی احمد دیولوی

بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

تقریظ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم !

عقدِ اجارہ قدیم زمانہ سے مروج ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہے، ہر زمانہ میں اجارہ کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے؛ کیوں کہ یہ معاشرہ اور ملک کی ضرورت ہے، بلکہ انسانی زندگی کا لازمہ قرار دینا غلط نہ ہوگا، جہاں معیشت کے دیگر شعبے: بیع، زراعت، صنعت وحرفت وغیرہ زمانہ کی اہم ضروریات اور معیشت کی بنیادیں ہیں، وہیں عقد اجارہ بھی معیشت کا ایک اہم شعبہ اور بنیاد ہے، جو ملازمت، مزدوری، کرایہ داری، خدمات، کارخانے، دوکان، مکان اور عمدہ معاشرہ کی بے شمار ضروریات پر مشتمل ومحیط ہے۔

ضرورت تھی کہ اس موضوع پر کام ہو، اور اس سلسلے کے مسائل و احکام علاحدہ طور پر جمع کیے جائیں۔

پیش نظر رسالہ موسوم بہ ''اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو دراصل ایک مقالہ ہے، جسے جامعہ کے شعبۂ تدریب الإفتاء ''سال دوم'' کے عزیز طالب علم مولوی مفتی زید احمد آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ نے

''تدریب الإفتاء'' کے سندی مقالے کی حیثیت سے جامعہ کے استاذ گرامی اور ہمارے رفیق محترم مولانا مفتی فرید احمد صاحب کاوی زید مجدہٗ کی زیر اشراف بلکہ زیر تربیت تیار فرمایا ہے، اس مقالے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اجارہ کی نئی صورتوں کا حکم بھی مدلل طور پر پیش کیا گیا ہے، یہ ایک طالب علمانہ کوشش ہے اور بندے کی کوتاہ فہم کے اعتبار سے بڑی حد تک موصوف اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔ هذاماعندی والعلم عندالله.

اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو شرفِ قبول بخشے، زورِ قلم بڑھائے اور آئندہ ہمہ جہتی خدمات کے سلسلے میں موفق بنائے۔ (آمین)

وصلی الله علی خیر خلقه محمد و علی آله وصحبه اجمعین.

کتبہ اسجد احمد دیولاوی

مؤرخہ: ۲۰/ربیع الاول/۱۴۴۰ھ

تمہید

حمد وصلوۃ کے بعد!

انسانوں کی اجتماعی اقتصادی ضرورت کی تکمیل میں جو'معاملات' سب سے زیادہ معاون اور مددگار بنتے ہیں ان میں اجارہ سرفہرست ہے۔ اسی لیے کتاب وسنت میں اس کا جواز مصرح ہونے کے باوجود فقہاء اس کی مشروعیت کی دلیل میں یہ بھی ذکر فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں کی حاجت پوری کرنے کا ذریعہ ہے اور اس کے بغیر انسانی معاشرے کو شدید تنگی ودشواری لاحق ہوسکتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک دیوار یوں ہی سیدھی کردی تو حضرت موسی علیہ السلام ان سے کہنے لگے: "تم نے اس کام کی اجرت کیوں نہ مانگ لی؟" کہ ہمارے لیے کھانے کا بندوبست ہوجاتا! گویا انسانی معاش کی ایک بنیاد اجارہ بھی ہے، یہ بات قرآن نے بھی بیان فرمائی ہے۔

جدید فلسفۂ اقتصادیات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صناعۃ الخدمات (سروس سیکٹر) اور صناعۃ السلع (گڈز سیکٹر) اقتصادیات کے دو بنیادی شعبے ہیں، اور سروس سیکٹر کا زیادہ تر مدار عقودِ اجارہ پر ہی ہے۔ موجودہ عالمی اقتصادیات میں اس شعبے کی حصہ داری نصف سے زائد، دو ثلث تک پہنچنے جا رہی ہے۔ زمین و مکان، انسان و جانور اور اسبابِ نقل وحمل کی کرایہ داری کے علاوہ ہر قسم کی تعلیم وٹریننگ، ہوٹل، ہاسپٹل، فون اور انٹرنیٹ، حتی کہ اب حفاظت یا جنگی مہم کے لیے مسلح دستے؛ سب کچھ کرایہ پر دستیاب ہے۔ تونگر اور تنگ دست؛ دونوں فریق کی مختلف النوع ضروریات کی تکمیل میں اجارہ کا اس قدر عمل دخل ہے کہ اجارہ کے بغیر انسانی اجتماعی زندگی کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اس سے مالک ومستاجر کی ضرورت؛ ضرورت کے دائرے میں پوری ہوجاتی ہے، ملکیت

باقی رکھتے ہوئے مالک کو اجرت کی شکل میں مال مل جاتا ہے اور مستاجر بھی پوری چیز خریدنے پر مجبور نہیں ہوتا۔

دورِ حاضر اپنے ماضی سے ہر اعتبار متغیر ہو کر مجدّد ہو چکا ہے، اس تغییر و تجدید کے اثر سے معاملات اور عقود بھی مستثنیٰ نہیں ہے؛ چنانچہ تجارت اور معاملات کے طریقے اور عقود کی نوعیت بھی یکسر تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ اجارہ کا بھی یہی حال ہے، ضرورت کی تکمیل کے سے بڑھ کر اب یہ استثمار اور تجارت کا مستقل ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں اجارہ پر مشتمل عقود میں تنوع پیدا ہونا ظاہر ہے۔ اور اسی تناسب سے اس کے شرعی اور فقہی حکم کی طلب و جستجو کا زیادہ ہونا بھی ظاہر ہے۔

اجارہ سے متعلق پیش آنے والے ایسے جدید اور ضروری مسائل کی طلب و تحقیق کے پیش نظر ہی امسال تدریب الافتاء سال دوم کے طالب علم عزیز مولوی مفتی زید احمد آبادی سلمہ- فاضل جامعہ جمبوسر- کے سندی مقالے کا عنوان 'اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام' طے کیا گیا تھا۔

دورِ حاضر میں رائج اجارہ پر مشتمل جدید و قدیم عقود کی فہرست بڑی طویل ہے، ان سب سے متعلق حکم دریافت کرنا اور جمع کرنا سندی مقالے میں تو یقیناً مقصود نہیں تھا، اور عملاً بھی یہ طویل محنت ہے۔ اس کے باوجود موصوف نے - جزاہ اللہ تعالی - اجارہ کے بنیادی مسائل کی تنقیح کے ساتھ اس کی متعدد جدید صورتوں کو؛ خاص کر چھوٹے اور بڑے پیمانہ پر جو معاملات اس دور میں عوام و خواص میں رائج ہیں، ان کی مختلف شکلوں کے متعلق تفصیلی اور مدلل بحث کرتے ہوئے احکام فقہیہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس مقالے میں ایسے متعدد مسائل کی تفصیلی بحث پیش کی ہے جن کے متعلق موجودہ

اردو فقہی ذخیرے میں اس قدر تفصیلی اورواضح بحث یکجا شکل میں موجود نہیں۔

اپنی انسانی استطاعت کے مطابق ہم نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ یہ بحث وتحقیق فقہی حنفی کے اصول ضوابط اور جزئیات اور تصریحات کے دائرے سے ہرگز خارج نہ ہو۔ پھر بھی جدید صورتوں پر قدیم عبارات منطبق کرکے جواز وعدم کا حکم متعین کرنا؛ آسان کام نہیں، اورسہو وخطا سے کوئی انسان معصوم بھی نہیں۔ اس لیے یہ بحث اہلِ علم اورارباب فتوی اساتذۂ کرام کی نظرِ التفات کی محتاج ہےاوریہی درخواست ان کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔

اللہ تعالی موصوف کی محنت کوقبول فرمائے ،ان کے فقہی ذوق کومزید پروان چڑھائے ،اصابت رائے اورحزم وجزم سےنوازے۔اورمزید علمی عملی کاموں کی توفیق عطافرمائے۔ جامعہ ہذاکےاس شعبے کی تعلیم وتربیت کوقبول فرماکر جامعہ سے وابستہ تمام لوگوں کے لیےصدقہ جاریہاوروسیلۂ نجات بنائے۔آمین۔

فریداحمد بن رشید کاوی

مدرس جامعہ جمبوسر۔

شکر و امتنان

الحمد لأهله والصلاة على أهلها:

حمد و صلاۃ کے بعد، مولائے کریم کا بے پناہ احسان و کرم ہے کہ اس نے اس بندۂ ناتواں کو اپنی بے شمار اور بیش بہا قیمتی نعمتوں سے سرفراز فرمایا، خصوصاً تحصیل علم دین کی توفیق عطا فرمائی، اسی سلسلہ کی ایک متبرک کڑی فراغت و تکمیل افتا ہے، اس موقع پر بندہ اپنے مشفق والدین، جمیع اساتذہ کرام و مربیانِ عظام اور مادرِ علمی ''جامعہ علوم القرآن جمبوسر'' اور اس کے بانی و مہتمم حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی دامت برکاتہم العالیہ کا تہِ دل سے ممنون اور شکر گزار ہے، جنہوں نے بندے کی تعلیم و تربیت اور علمی لیاقت و صلاحیت کو پروان چڑھانے کی ہر ممکن فکر کی اور جن کی نیم شب دعاؤں سے بندہ اس لائق ہوا کہ کچھ لکھ پڑھ سکے، انہیں کی وسعتِ ظرفی تھی کہ وہ بندے کی نااہلیت کو شفقت کا بہانہ بنا کر مزید توجہ فرماتے تھے اور موقع بہ موقع ہمت و حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ تکمیل تدریب الافتاء کے موقع پر اس نا کارہ کو جب سندی مقالہ کے لیے ''اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام'' کا عنوان دیا گیا تو بندہ اس موضوع کے مبادیات اور بنیادی اصول سے بھی نا آشنا تھا، چہ جائیکہ اجارہ کے متفرق و منتشر مسائل کو ایک کڑی میں پرو سکے، لیکن اس موقع پر بھی رب کریم کا بے پایاں کرم، اساتذہ کرام و مربیان عظام اور والدین کی نیم شب دعاؤں نے بندے کو اس قابل بنایا کہ مجوزہ عنوان پر چند حروف سپرد قرطاس کر سکے۔ بعدہ

جب مقالہ تکمیل کو پہونچا تو اس حقیر سی کاوش پر بندے کی ہمت افزائی کے خاطر جامعہ کی طرف سے اسے زیور طباعت سے آراستہ ومزین کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جو اس طفل ناتواں پر مادر علمی کی انتہائی ذرہ نوازی ہے۔

چنانچہ اس طباعت کے موقع سے بندہ حضرت اقدس مہتمم صاحب دامت برکاتہم العالیہ اوراپنے جملہ اساتذہ کرام کا شکر گزار ہے کہ جن کے علوم ومعارف سے بالواسطہ یا بلا واسطہ استفادہ کا موقع نصیب ہوا؛ خصوصاً حضرت مفتی فرید احمد صاحب دامت برکاتہ کا بھی ممنون ومشکور ہے کہ انہی کی قدم بہ قدم رہنمائی ورہبری کے طفیل مقالہ تکمیل کو پہونچا اور مفتی اسجد صاحب دامت برکاتہم کا بھی شکر گزار ہے جو موقع سے موقع قیمتی اور مفید مشورے سے نوازتے رہے، فجزاہم اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

اخیر میں بندہ بارگاہ رب کریم میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالی ان تمام حضرات کو اپنی شایان شان بدلہ عنایت فرمائیں، اور بندے کی اس پیش رفت کو شرف قبولیت عطا فرما کر مستقبل میں مزید خدمات علمیہ ودینیہ کے لئے موفق بنائیں۔ (آمین)

از: زید بن فاروق احمد آبادی

متعلم: شعبۂ تدریب الافتاء، ۱۴۳۹ھ.

جامعہ علوم القرآن جمبوسر

اجارہ اور اس کی
جدید صورتوں کے احکام

BLANK

بسم الله الرحمن الرحيم

اجارہ کی لغوی تعریف:

'اجارہ' لغت میں اجرت کا نام ہے اور اجرت مزدور کے معاوضہ (کرایہ) کو کہتے ہیں، اجارہ (بکسر الہمزہ) مشہور ہے، لیکن (بضم الہمزہ) بھی منقول ہے، اس صورت میں یہ 'ماخوذ' یعنی کام کے عوض کے معنی میں ہوگا، اور (بفتح الہمزہ) بھی منقول ہے۔ گویا کہ یہ مثلث الحرکات ہے۔

مبرد سے اس لفظ کی جو تحقیق منقول ہے وہ یہ ہے:

أجر، آجر، إجارًا و إجارة

اس کے مطابق یہ مصدر ہے اور یہی معنی اس کے اصطلاحی مفہوم کے بھی موافق ہے۔

الإجارة بكسر الهمزة هو المشهور وحكى الرافعي ضمها وقال صاحب المحكم هي بالضم اسم للمأخوذ مشتقة من الأجر و هو عوض العمل و نقل عن الثعلب الفتح فهي مثلثة الهمزه (شامي: ۹ /۳)

اسی کے قریب تحقیق: صاحب مجمع الانہر نے بھی پیش کی ہے اور موسوعہ فقہیہ میں بھی یہی بات مذکور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بکسر الہمزہ یہ مصدر ہے، یعنی کسی چیز کو اجرت پر دینا یا لینا یا اجارہ یعنی کرایہ کا معاملہ کرنا، اور بضم الہمزہ 'اجرت' یعنی معاوضہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

اصطلاح فقہ میں کسی چیز کے منافعِ مقصودہ کو مالی معاوضہ پر فروخت کرنا۔
علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

هی تملیك نفع مقصود من العین بعوض . (در مختار : ۹-۵)

اس کے قریب قریب تعریف مجمع الانہر اور موسوعہ فقہیہ میں بھی ہے۔

هی بیع منفعة معلومة بعوض معلوم دین أو عین (مجمع الانهر :۳ /۵۱۱)

هی بیع منفعة معلومة بأجر معلوم ـ(بحر الرائق : ۷ /۲۵۲)

عقد معاوضه علی تملیك منفعة بعوض ـ(موسوعه فقهیه : ۱/ ۱۵۲)

اجارہ کی مشروعیت:

اجارہ ازروئے قیاس نادرست ہے؛ کیونکہ اس میں منافع کی بیع ہوتی ہے اور وہ بوقت عقد معدوم ہوتے ہیں اور معدوم چیز کی بیع نادرست ہے؛ لیکن کتاب اللہ، سنت اور اجماع امت سے اجارہ کا مشروع ہونا ثابت ہے۔ یعنی اجارہ خلافِ قیاس یا بطور استحسان جائز سمجھا گیا ہے۔

(۱) کتاب اللہ

آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ وحضرت شعیبؑ کے درمیان آٹھ سال بکری چرانے کا معاملہ مہر کے معاوضہ کے طور پر طے ہونا بغیر نکیر کے مذکور ہے اور شرائع من قبلنا جبکہ بلانکیر وارد ہو تو وہ بھی حجت ہے۔

قال أبوبكر الأصم إنها لاتجوز والقیاس ما قاله : لأن الإجارة

بيع المنفعة والمنافع للحال معدومة والمعدوم لايحتمل البيع فلا يجوز إضافة البيع إلى ما يؤخذ فى المستقبل كاضافة البيع الى أعيان توخذ فى المستقبل فإذاً لا سبيل إلى تجويزها لاباعتبار الحال ولا باعتبار المآل ، لكنا استحسنا الجواز بالكتاب العزيز والسنة والاجماع.

أما الكتاب العزيز : فقوله عزو جل خبرًا عن أب المرأتين اللتين سقى لهما موسى ؑ : قَالَ إِنِّى أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَىَّ هَاتَيْنِ عَلىٰ أَنْ تَأْجُرَنِىْ ثَمَانِىَ حِجَج . أى على أن تكون أجيرًا لى أو على أن تجعل عوضى من إنكاحى ابنتى إياك رعى غنمى ثمانى حجج----

وقوله عزوجل خبرًا عن تينك المرأتين : قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِىُّ الأَمِيْنُ. وما قص الله علينا من شرائع من قبلنا من غير نسخ يصير شريعة مبتدأة ويلزمنا على أنه شريعتنا لا على أنه شريعة من قبلنا لماعرف فى أصول الفقه. (بدائع : ٤ / ١٥ ،هكذا فى مجمع الانهر:٥١٢/٣، والشامية : ٤/٩، الموسوعة الفقهية :١/ ٢٥٤)

(۲) سنت و حدیث

حدیث میں آپ ﷺ کاارشاد ہے:

عن أبى سعيد الخدرى ؓ وأبى هريرة ؓ عن رسول لله ﷺ أنه قال : لا يستام الرجل على سوم أخيه ولا ينكح على خطبته ولا تناجشوا

ولا تبیعوا بإلقاء الحجر ومن استأجر أجیرًا فلیعلمه أجره.

وهـذا مـنـه ﷺ تعليم شرط جواز إجارة وهو إعلام الأجر فيدل علـى الجواز ـ(بدائع : ٤ / ١٥، هكذا فی مجمع الأنهر: ٣ / ٥١٢، الشامية : ٩ / ٤، الموسوعه الفقهية : ١ / ٢٥٤)

(۳) اجماع

دورِنبوی اوردورِصحابہ سے آج تک عقدِاجارہ امت میں بغیرنکیر کے جاری ہے، یعنی اس کے جواز پرامت کا اجماع ہے۔لہٰذااس کے خلاف کی گنجائش نہیں، اورخلاف کرنے پرخرقِ اجماع لازم آئے گا۔

والاجـمـاع فـإن الأمة اجـمـعـت عـلى ذلك قبل وجود الأصم حيـث يـعـقدون عقد الإجارة من زمن الصحابةؓ إلى يومنا هذا من غير نـكير فلا يعبأ بخلافه إذ هو خلاف الاجماع ـ (بدائع : ٤ / ١٦،هكذا فی مجمع الانهر:٥١٢/٣، شامی: ٩ /٤، الموسوعة الفقهية : ١ / ٢٥٤)

(٤) قیاس اور استحسان

اجارہ کی مشروعیت میں ’تیسیر علی الناس‘ مقصود ہے،جیسا کہ تمام عقود میں فی الجملہ اس بات کالحاظ نظرآتا ہے۔

یہ امرواضح ہے کہ چیز کے منافع کا خواہشمند اس چیز کا مالک بن کرہی منافع حاصل کرسکے، بہت مشکل امرہے، کیوں کہ ہرشخص کے پاس وسائلِ ملک دستیاب نہیں ہوتے ،مثلا:فقیرمنافع کے حصول میں مالدار کی چیزوں کامحتاج ہوتاہے،اور مالدارخوداپنی مملوک سے فائدہ اٹھانے میں فقیر کے منافع (عمل ومزدوری) کا

محتاج ہوتا ہے، اس ضرورت کے پیش نظر اجارہ کو اس طور مشروع کیا گیا کہ لوگوں کی ضرورت بھی پوری ہو سکے اور مزاج شریعت کے موافق بھی ہو جائے۔

وإنـما يفعل كذلك لحاجة الناس فالفقير محتاج إلى مال الغنى والغنى محتاج إلى عمل الفقير وحاجة الناس أصل فی شرع العقود فيشرع على وجه ترتفع به الحاجة ويكون موافقًا لأصول الشرع۔ (مبسوط سرخسی:۷۵/۱۵، كذافى الموسوعة الفقهيه: ۱/ ۲۵٤)

وبه تبين أن القياس متروك لأن الله تعالى إنما شرع العقود لحوائج العباد وحاجتهم إلى الإجارة ماسة لأن كل واحد لايكون له دار مملوكة يسكنها أو أرض مملوكة يزرعها أو دابة مملوكة يركبها، وقد لايمكنه تملكها بالشراء لعدم الثمن ولا بالهبة والإعارة لأن نفس كل واحد لا تسمح بذلك فيحتاج إلى الإجارة فجوزت بخلاف القياس لحاجة الناس كالسلم ونحوه۔(بدائع : ٤ / ١٦)

تیسیر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اشیاء اور جائیداد کے مالک کو زمین فروخت کیے بغیر طویل زمانہ تک اس کا فائدہ حاصل ہوتا رہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ بیع کے برعکس اجارہ میں زمین اور دیگر اشیاء کی ملکیت مالک کے پاس باقی رہتی ہے، اس لیے طویل مدت تک اجارہ کے ذریعہ منافع حاصل کیے جاسکتے ہیں، اور جب کہ بیع کے ذریعہ ایک مرتبہ ہی آدمی نفع کما سکتا ہے، چونکہ عموماً کرایہ دن بدن بڑھتا رہتا ہے، اور ساتھ ساتھ املاک اور زمین کی قیمت بھی بڑھتی رہتی ہے، اس لیے بسااوقات طویل زمانہ تک کرایہ کے ذریعہ منافع حاصل کرنے کے بعد املاک

فروخت کی جائے تو مالک کئی گنا زیادہ قیمت بھی پا سکتا ہے، لوگ اسی اعتبار سے قیمت بڑھا کر بیع مؤجل کرتے ہیں؛ لیکن بیع مؤجل کے مقابلہ میں اولاً اجارہ اور بعدہ بیع کی صورت میں زیادہ منافع حاصل ہو سکتے ہیں۔

اجارہ کی اہمیت اور ضرورت

عصر حاضر کے حوالہ سے اجارہ کی اہمیت وضرورت کو ڈاکٹر مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی مدظلہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

عقد اجارہ کا تصور زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے، اور ہر دور میں اجارہ ہوتا رہا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں بھی حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں عقد اجارہ کا تذکرہ آیا ہے، اور خود حضرت موسیٰؑ نے بھی اجارہ کیا ہے، چونکہ اجارہ کا ثبوت قدیم ہے، اور اس وقت سے لیکر آج تک اجارہ پر عمل ہورہا ہے، اس لیے اجارہ کی صورتیں ہر زمانہ میں بدلتی رہی ہیں، اوراسمیں تبدیلیاں واقع ہوتی رہی ہیں۔آج کل ہمارے معاشرہ میں عقد اجارہ بہت کثرت سے ہو رہا ہے، اور بے شمار حضرات صرف ناواقفیت کی وجہ سے عقد اجارہ کو فاسد کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے پورا عقد ناجائز ہو جاتا ہے، نیز آج بنکوں اور اکثر مالیاتی اداروں (INVESTMENT COMPANIES) میں اجارہ کا استعمال بکثرت ہورہا ہے، اس لئے اس بات کی اہمیت اور ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ اس موضوع کی تحقیق کی جاوے.

چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں ملازمت ، صناعت، تجارت، معیشت، معاشرت غرضیکہ زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہدایات اور

رہنمائی موجود ہے، معیشت اور تجارت موجودہ زمانہ کی اہم ضرورت ہے، کیوں کہ یہ زندگی کا اہم ترین شعبہ ہے، کہ انسانی زندگی کی ضرورت کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی بھی ضرورت ہے، اس معیشت کا ایک شعبہ ''اجارہ'' (LEASING) بھی ہے، اس کا استعمال معاشی اور صنعتی اداروں میں کثرت کے ساتھ ہوتا ہے، اور یہ موضوع ملازمت، مزدوری کے مسائل، تجارت، کرایہ داری، خدمات، کارخانوں، دکانوں، مکانات، اوراس کے علاوہ بے شمار معاشرہ کی ضروریات پر محیط ہے۔

(جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ:۳۴)

اجارہ بطریقۂ تمویل:

اجارہ میں چوں کہ معقود علیہ معدوم ہوتا ہے اس لیے قواعد کے مطابق یہ عقد درست نہیں ہونا چاہیے، مگر لوگوں کی حاجت اور ضرورت کے پیش نظر شریعت میں اس کو مشروع رکھا گیا؛ البتہ اب اجارہ کو مالیاتی اداروں نے سودی بنیاد پر طویل المیعاد قرضے دینے کا متبادل سمجھ کر اسے بطور طریقۂ تمویل استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، اس طرح کی لیز کو عموماً تمویلی اجارہ (Financial leace) کہا جاتا ہے، جو کہ عملی اجارہ (Operatinal lease) سے مختلف ہے، اور اس (فنانشل لیز) میں عملی اجارہ کی بہت سی خصوصیات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں جب غیر سودی مالیاتی ادارے قائم ہوئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ لیز پوری دنیا میں تسلیم شدہ طریقۂ تمویل ہے، دوسری طرف انہوں نے یہ حقیقت بھی محسوس کی کہ لیز شرعاً ایک جائز عقد ہے، اور اسے غیر سودی طریقۂ

تمویل کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے، اس لیے اسلامی مالیاتی اداروں نے لیز کو اختیار کرنا شروع کر دیا، لیکن ان میں سے بہت کم اداروں نے اس حقیقت کی طرف توجہ دی کہ تمویلی اجارہ (Financial leace) میں بہت سی ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو عملی اجارہ کی بجائے سود کے زیادہ مشابہ ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بغیر کسی تبدیلی کے لیز کے معاہدہ کے انہی ماڈلز کو استعمال کرنا شروع کر دیا، جو روایتی مالیاتی اداروں میں مستعمل تھے، حالانکہ ان کی بہت سی شقیں شریعت کے مطابق نہیں تھیں۔

جیسا کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اجارہ خلاف قیاس ضرورتِ عامہ کے پیش نظر مشروع کیا گیا ہے، تاہم چند شرائط کے ساتھ اس عقد کو تمویل کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن اس مقصد کے لیے اتنا کافی نہیں کہ سود (INTERES) کی جگہ کرایہ (RENT) کا نام رکھ دیا جائے، بلکہ لیزنگ اور سودی قرضہ میں عملی فرق ہونا چاہیئے، یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ لیز سے متعلقہ تمام اسلامی اصولوں کی پیروی کی جائے۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۵/ ۱۲۹-۱۳۱)

ارکان اجارہ

احناف کے یہاں ارکان اجارہ: ایجاب وقبول ہیں۔

اور جس طرح بیوعات میں چیز کی خرید وفروخت کے لیے ہر علاقے وعرف میں مستعمل جملوں کو ایجاب وقبول کہا جاتا ہے نیز جس طرح بیع میں ایجاب وقبول براہ راست یا تحریر سے یا کلام پر قدرت نہ ہو تو اشارہ سے بھی ہو سکتا ہے، اجارہ کی

بھی اس بابت یہی حیثیت ہے۔

أمار کنهافالایجاب والقبول۔(بدائع : ٥ / ١٦)

ورکنها الایجاب والقبول بلفظین ماضیین من الألفاظ الموضوعة لعقد الإجارة(مجمع الأنهر : ٣ / ٥١٢، کذا فی الشامی: ٩ / ٧، الموسوعة الفقهية: ٢٥٥/١)

علامہ شامی اور علامہ کاسانی وغیرہ نے ارکان اجارہ محض ایجاب وقبول شمار کروایے ہیں، جب کہ شارح مجلة الاحکام علی حیدر نے ارکان اجارہ میں (۱) عاقدین یعنی موجر اور مستأجر (۲) معقود علیہ یعنی اجرت اور منفعت (۳) صیغۂ اجارہ یعنی ایجاب وقبول کو بھی شامل فرمایا ہے۔

أركان الإجارة على الإجمال ثلاثة (١) العاقد وهو عبارة عن الموجر والمستأجر (٢) المعقود عليه وهو عبارة عن الأجرة والمنفعة (٣) الصيغة وهی عبارة عن الایجاب والقبول كما فی البيع۔ (شرح مجله علی حيدر: ٢/ ٣٩٩)

بیع واجارہ کے درمیان بہت سے احکام میں مساوات پائی جاتی ہے، البتہ کچھ احکام کے اعتبار سے فرق ضرور ہیں، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر چھ فرق ذکر فرمائے ہیں:

ما افترق فيه الإجارة والبيع :

(١)التأقيت يفسده ويصححها

(٢)ويملك العوض فيه بالعقد وفيها لا، إلا بواحد من الأربعة.

(۳)وتفسخ بالاعذار بخلافه،

(٤)وتنفسخ بعيب حادث بخلافه،

(٥)وتنفسخ بموت أحدهما إذا عقدها لنفسه بخلافه،

(٦)وإذا هـلك الثمن قبل قبضه لايبطل البيع وإذا هلكت الأجرة العين قبله انفسخت۔(الاشباه والنظائر:٤٤٥، الفن الثالث الجمع و الفرق)

اس کے علاوہ دواور فرق شرح المجلۃ میں مذکور ہیں:

(٧) إن حق الشرب والطريق يدخل فى الإجارة بخلاف البيع

(٨) إن الـماجور بإجارة فاسدة إذا أوجر إجارة صحيحة كانت هـذه الإجـارة الثانية قابلة للفسخ بخلاف البيع فإنه إذا بيع بيعا فاسدا ثـم بيـع بيـعـا صـحيـحـا فـلا فسـخ فى البيع الثانى الصحيح . (شرح المجلة، الباب الثانى فى بيان المسائل المتعلقة بالإجارة)

صیغۂ اجارہ

جس طرح بیوعات میں چیز کی خرید فروخت کے لیے ہر علاقے اورعرف میں مستعمل لفظوں کو ایجاب وقبول کہا جاتا ہے، نیز جس طرح ایجاب وقبول براہ راست یا تحریر سے یا کلام پر قدرت نہ ہوتو اشارہ سے بھی ہوسکتا ہے، یہی نوعیت اجارہ کی بھی ہے، گویا بیع واجارہ میں صیغۂ اجارہ اوراسکے متعلقہ احکام یکساں ہیں۔

وذلك بلفظ دال عليها وهو لفظ الإجارة والإستيجار والإكتراء والإكـراء فإذا وجد ذلك فقد تم الركن والكلام فى صيغة الإيجاب و القبول وصفتهما فى الإجارة كالكلام فيهما فى البيع (بدائع : ١٦/٥)

وذلك بلفظ الإجارة والإستيجار والإكتراء والإكراء ونحوهما مما يفيد تمليك المنفعة ولو بلفظ البيع (الفقه الاسلامی وأدلته:٤ / ٥٢٤)

شرائط اجارہ :

عقد اجارہ کے شرائط کی چار قسمیں ہیں:

(۱) شرائطِ انعقاد (۲) شرائط نفاذ (۳) شرائط صحت (۴) شرائط لزوم۔

وأماشرائط الركن فأنواع : بعضها شرط الإنعقاد وبعضها شرط النفاذ وبعضها شرط الصحة وبعضها شرط اللزوم۔(بدائع : ٤/ ١٨)

يشترط فى عقد الإيجار أربعة أنواع من الشروط كما فى عقد البيع وهى شروط الإنعقاد وشروط النفاذ وشروط الصحة وشروط اللزوم(الفقه الإسلامى وأدلته : ٤ / ٥٢٧، هكذا فى الهنديه : ٤ / ٥٦٠)

(۱) شرائط انعقاد:

اجارہ منعقد ہونے کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہیں، انہیں شرط انعقاد کہا جاتا ہے، بدون اس کے عقد منعقد نہ ہوگا اور باطل ہوگا۔

شرائط انعقاد چھ امور سے متعلق ہیں : (۱) عاقد ،(۲) نفس عقد، (۳) مکان عقد، (۴) بدل اجارہ (۵) شئ ماجور، (٦) منفعت۔

عاقد سے متعلق شرط کی تفصیل اس طرح ہے کہ:

عقد کی اہلیت ہو یعنی عاقل ہو، پس مجنون وصبی غیر عاقل کا اجارہ درست نہ ہوگا۔

وأما الذى يرجع إلى العاقد فالعقل وهوأن يكون العاقل حتى لا تنعقد الإجارة من المجنون والصبى الذى لايعقل كما لا ينعقد البيع منهما. (بدائع : ٤/ ١٨، كذا فى الهنديه : ٤/ ٥٦٠)

ایسا بچہ جوابھی بالغ نہیں ہوا؛ البتہ عاقل ہے، اورعقد کی سوجھ بوجھ رکھتا ہے تو شرط انعقاد یعنی عقل پائے جانے کے سبب اس کا عقد منعقد ہوجائے گا، ہاں ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا اوراگر ولی کی اجازت ہے تو نافذ بھی ہوجائے گا۔

وأما البلوغ فليس من شرائط الإنعقاد ولا من شرائط النفاذ عندنا حتى أن الصبى العاقل لو آجر ماله أو نفسه فإن كان مأذونا ينفذ وإن كان محجورا يقف على إجازة الولى عندنا۔(بدائع : ٤/ ١٨، كذا فى الهنديه : ٤/ ٥٦٠)

أقتصر على ما ذكر ما يرجع للعاقد وهو العقل أى أن يكون العاقد عاقلا فلا تنعقد الإجارة من المجنون والصبى غير المميز كما لا ينعقد البيع منهما ولايشترط البلوغ للإنعقاد ولاللنفاذ عند الحنفية فلو آجر الصبى المميز ماله أو نفسه فإن كان مأذونا فى ذلك وغيره ينفذ عقده وإن كان محجوراً عن التصرفات يقف على إجازة وليه.

(الفقه الإسلامى وأدلة: ٤ / ٥٢٨)

نفس عقد سے متعلق شرط:

ایجاب وقبول ایک دوسرے کے موافق ہو یعنی موجر نے جس چیز کا ایجاب کیا ہے اسی کے مطابق مستأجر قبول کرے۔ مستأجر کو اس میں تبدیلی کا حق نہیں،

مثلا: بطور ایجاب عین یا منفعت یا مدت وغیرہ کسی چیز کو ذکر کیا تو مقابل میں قبول بھی اسی چیز کا ہونا ضروری ہوگا۔

النوع الثانی یرجع إلی العقد وھو عبارة عن جعل الإیجاب والقبول موافقا۔(شرح مجله علی حیدر: ۴۲۰/۲)

ینطبق علی الإیجاب و القبول فی الإجارة کل ما ینطبق فی البیع من الأحکام والمسائل ...

موافقة الإیجاب والقبول: یجب أن یکون القبول بما یوجبه الموجب فی ایجابه عینا ولیس للذی یقبل أن یغیر المأجور أو المدة أو یفرق المنفعة أویبعضها او یبدلها بشئ ما. (شرح المجله علی حیدر: ۴۲۱/۲)

ایجاب وقبول سے متعلق ایک شرط یہ بھی ہے کہ اجارہ صیغۂ ماضی کے ساتھ ہو؛ صیغۂ مستقبل کے ساتھ نہ ہو؛ لیکن اگر زمانہ حال پر دلالت کرنے والا لفظ ہوتو اس سے عقدِ اجارہ منعقد ہوجائے گا۔

الإجارة تنعقد بصیغة الماضی ولا تنعقد بصیغة المستقبل: مثلاً لو قال أحد سأوجر وقال الآخر استأجرت أو قال أحد آجرُ وقال الآخر آجرت فعلی کلتا الصورتین لا تنعقد الإجارة. (شرح المجله: خالداتاسی رقم المادة: ۴۳۵ : ۵۰۰/۲)

مکان عقد سے متعلق شرط

یہ ہے کہ مجلس متحد ہو؛ یعنی ایجاب وقبول کی مجلس ایک ہی ہو۔ اس کی دو

صورتیں متصور ہیں؛(۱)اتحاد مجلس حقیقی(۲)اتحاد مجلس حکمی۔

(۱) موجر و مستأجر دونوں ایک ہی مجلس میں آمنے سامنے موجود ہو اور مشافہۃً عقد کرے۔

(۲) موجر و مستأجر دونوں ایک مجلس میں نہ ہو بلکہ الگ الگ جگہ رہ کر کسی شخص کی وساطت یا خط و کتابت سے؛ ایک اجارہ کی پیش کش کر رہا ہو اور دوسرا قبول کر رہا ہو؛اس صورت میں جبکہ دونوں الگ جگہ پر ہو تو جس وقت مستأجر کو موجر کے ایجاب کی خبر ملے اسی وقت وہ قبول کرلے یہ تو حکمی اتحادِ مجلس ہوگا۔

النوع الثالث يرجع الى المكان وهو عبارة عن اتحاد المجلس (شرح المجلة، على حيدر ۲/ ٤۲۰)

اتحاد المجلس : اتحاد مجلس العقد بشرط سواء اكان اتحادا حقيقيا كأن يقول المؤجر آجرتك والمستأجر يقول قبلت فى مجلس واحد . فلا تنعقد الإجارة إذا قيل الايجاب فى مجلس والقبول فى آخر .

أو كان حكمياً كأن يكون الايجاب والقبول بالكتابة أو الرسالة (شرح المجله على حيدر : ۲/ ٤۲۱)

إن الإجارة كالبيع كما انها تنعقد بالايجاب والقبول الذين يقعان بالمشافهة كذلك تنعقد بالايجاب والقبول اللذين يقعان بالمكاتبة وباشارة الأخرس المعروفة ويكون أيضا مجلس بلوغ الكتاب وأداء الرسالة معتبرا.(شرح المجلة، على حيدر : ۲/ ٤۰۳)

بدلِ اجارہ سے متعلق شرط

عقدِ اجارہ میں بطور بدل طے ہونے والی چیز ایسی ہو جس کا مالک بننا متصور ہو، مثلاً: بدل اجارہ کے طور پر شراب، خنزیر یا مردہ وغیرہ چیزیں طے نہ ہو۔ ورنہ تو عقد منعقد نہ ہوگا۔

النوع الرابع : يرجع إلى بدل الإجارة وهوعبارة عن صيرورة البدل المذكور ملكاً لذلك، لا تكون الإجارة صحيحة إذا جعل بدلها ميتة أو انسانا حرًا۔ (شرح المجله على حيدر: ۲/ ٤٢٠)

شيئِ ماجور سے متعلق شرط:

یہ ہے کہ جس چیز کو اجرت پر دیا جائے وہ ایسا مال ہو جس سے انتفاع متعارف ہو۔ پس کپڑے خشک کرنے کے لیے درخت کو کرایہ پر لینا درست نہیں، کیوں کہ عرفاً درخت کو اس مقصد کے لیے اجرت پر نہیں لیا جاتا۔

النوع الخامس : يرجع الى الماجور وهو أن يكون مالاً متعارفاً إيجاره. (شرح المجله حيدر على: ۲/ ٤٢٠)

منفعت سے متعلق شرط

جس چیز کو اجارہ پر دیا جارہا ہو شریعت اور قابل اعتبار لوگوں کی نگاہ میں اس کی منفعت معلوم ومتصور ہو۔

النوع السادس : يرجع الى المنفعة وهوعبارة عن أن تكون المنفعة متصورة من العين فى نظر الشرع الشريف و نظر العقلاء ـ (شرح المجله على حيدر: ٤٢٠)

یجب ان تکون المنفعة التی یعقد علیها فی الإجارة مقصودة فی الشرع و نظر العقلاء فلو استأجر انسان حصانا لیر بطه امام داره أو لیجنبه او استأجر ثیابا لیضعها فی بیته لیظن الناس أن له حصانا أو ثیابا نفیسة لیراها الناس و یظهر بها بمظهر الأغنیاء فالإجارة فاسدة و لا تجب الأجرة فیها لأنها منفعة غیر مقصودة من العین فی الشرع و نظر العقلاء. (شرح المجله: علی حیدر ۲/ ۳۷۲)

شرائط نفاذ

وہ شرائط ہیں جن کے پائے جانے سے عقد اجارہ نافذ ہوتا ہے، نہ پائے جانے کی صورت میں عقد منعقد ہونے کے باوجود غیر نافذ مانا جاتا ہے۔

(ا) جس چیز کو اجرت پر دیا جا رہا ہے موجر اس کا مالک ہو یا مالک کی طرف سے عقد اجارہ کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔ اس کی چند صورتیں ہیں:

(الف) موجر کا وکیل ہو۔

(ب) مالک کا ولی ہو جیسا کہ باپ، بیٹا وغیرہ۔

(ج) وصی ہو؛

(د) بلا تملیک صرف حق تولیت رکھتا ہو، جیسے: اوقاف کا متولی۔

پس اگر کوئی شخص بطور فضولی عقد اجارہ کر رہا ہے تو نافذ نہ ہوگا؛ کیونکہ نہ ملک پائی گئی، نہ ہی تولیتِ عقد؛ لہٰذا یہ عقد اجازتِ مالک پر موقوف ہوگا۔

فضولی کا عقد اجازتِ مالک سے نافذ ہو اس کے لیے بھی چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(الف) عاقدین اپنے عقد پر قائم ہو۔

(ب) مال مستأجر بھی موجود ہو۔

(ج) معقود علیہ قائم و باقی ہو۔

(د) بدل الإجارۃ اگر عروض میں سے ہے تو بوقت اجازت اس کا پایا جانا ضروری ہے، اگر عروض میں سے نہیں تو اس کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

شرط النفاذ ثلاثة :

النوع الأول الملك أو الولاية (شرح المجله على حيدر: ٢/ ٤٢٠)

يلزم أن يكون الآجر متصرفاً بما يؤجره أو وكيل المتصرف أو وليه أو وصيه (ماده : ٤٤٦)

الملك أو الولاية و عدم تعلق حق الغير بالماجور شرط فى نفاذ الإجارة .

إيضاح الملك أو الولاية :

يلزم أن يكون الآجر (١) متصرفا بما يؤجره (٢) أو وكيلا عن المتصرف (٣) أو وصيا أو وليا له كالأب والقاضى (٤) أو متوليا على ذلك المال (٥) أو مستأجرا من المتصرف (شرح المجله: على حيدر : ٢/ ٤٢٢)

تنعقد إجارة الفضولى موقوفة على إجازة المتصرف

وان كان المتصرف صغيرًا أو مجنونا وكانت الاجرة أجرة المثل تنعقد إجارة الفضولى موقوفة على اجازة وليه أو وصيه لكن

يشترط فى صحة الاجازة قيام و بقاء أربعة أشياء : العاقدين و المال المعقود عليه و بدل الإجارة ان كان من العروض و اذا عدم هؤلاء فلا تصح الاجازة .(شرح المجله خالد اتاسى: ۲/ ۵۰۲) كذافى الهنديه: ٤ ٥٦٠)

(۲) جس چیز کو بطور اجارہ پیش کیا جا رہا ہو وہ چیز کسی دوسرے ایسے عقد یا حق سے فارغ ہو جو تسلیم میں مانع ہو، ورنہ اجارہ غیر نافذ ہوگا۔ مثلاً یہ کہ کسی گھر کا دورانِ مدت اجارہ کسی دوسرے سے عقد اجارہ کیا جائے تو یہ اجارہ غیر نافذ ہوگا کیوں کہ شیئ مستأجرہ پہلے سے ہی مشغول ہے۔

النوع الثانى: أن لايكون هناك تعلق لغير المؤجر فلذلك إذا استؤجرت دار مدة معلومة ثم أجرت بعينها لآخر فالإجارة الثانية غير نافذة. (شرح المجله على حيدر: ۲/ ٤٢٠)

لو آجر أحد ماله على مدة معلومة من آخر إجارة لازمة ثم آجره أيضا تلك المدة مرة ثانية من غيره لا تنفذ الإجارة الثانيه و لا تعتبر.

لو آجر أحد مالا له عقارًا أو منقولا على مدة معلومة ببدل معلوم إجارة لازمة ثم آجر أيضا ذلك المال تلك المدة نفسها مدة ثانية من غير المستأجر فلا يطرأ خلل على الإجارة الأولى و لا تكون الإجارة الثانية نافذة و لا منعقدة و تكون غير معتبرة بتاتا لا فى حق الآجر و لا المستأجر الأول (شرح المجله: على حيدر : ۲/ ٥٧٥)

(۳) جب تک عقد اجارہ کی تمام شرائط انعقاد اور شرائط صحت نہ پائی جائیں اس وقت تک عقد اجارہ نافذ نہ ہوگا۔

النوع الثالث : وجود شرطی الصحة والانعقاد . (شرح المجله: علی حیدر : ۴۲۰/۲)

(۴) عقد اجارہ کئے جانے کی صورت میں عاقدین میں سے کسی نے اپنے لیے خیار نہ رکھا ہو؛ ورنہ مدت خیار تک عقد نافذ نہ ہوگا۔

ومنها أن یکون العقد مطلقا عن شرط الخیار فإن کان فیه خیار لا ینفذ فی مدة الخیار ۔(هندیة: ۵۶۰/۴)

ومنها أن یکون العقد مطلقا عن شرط الخیار فإن کان فیه خیار لا ینفذ فی مدة الخیار لان الخیار یمنع انعقاد العقد فی حق الحکم مادام الخیار قائمًا لحاجة من له الخیار إلی دفع العین عن نفسه کما فی بیع العین وهذا لان شرط الخیار وإن کان شرطا مخالفا لمقتضی العقد، والقیاس یأباه لما مر لکن ترکنا اعتبار القیاس لحاجة الناس ولهذا جاز فی بیع العین کذا فی الإجارة۔(بدائع : ۴ / ۲۴)

شرائطِ صحت:

شرائطِ صحت وہ شرائط ہیں جن کے پائے جانے پر اجارہ کی صحت موقوف رہتی ہے۔ شرائطِ صحت میں سے بعض کا تعلق عاقد سے، بعض کا معقود علیہ سے، بعض کا محلِ معقود علیہ سے، بعض کا اجرت سے، بعض کا نفسِ عقد یعنی رکن سے ہیں۔

أما شرائط الصحة ؛ فلصحة هذا العقد شرائط : بعضها یرجع إلی العاقد ، بعضها یرجع إلی المعقود علیه ، و بعضها یرجع إلی محل

الـمعقود عليه ، بعضها يرجع إلى ما يقابل المعقود عليه وهو الأجرة و بعضها يرجع إلى نفس العقد أعنى الركن . (بدائع الصنائع :٤/ ٢٤)

ان شرائط کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) عاقدین کا عقد اجارہ کرنے پر رضامند ہونا ضروری ہے، کیوں کہ آیت کریمہ سے عدم رضامندی پر معاملہ باطل ہونا ثابت ہے۔

يـاأيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم.(نساء : ٢٩)

اجارہ بھی ایک تجارت ہے، کیوں کہ تجارت میں مال کا تبادلہ مال سے ہوتا ہے، اوراجارہ میں بھی یہی ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی آیت کے تحت شامل ہوجائے گا، اور عاقدین کی رضامندی اس میں بھی ضروری ہوگی، اسی واسطہ ماذون التجارة شخص اجارہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لايحل مال امرى مسلم إلا بطيبة من نفسه (مسند احمد)

لہٰذا اگر مکرہ شخص اجارہ کرتا ہے تو اس کا اجارہ درست نہیں؛ لیکن اکراہ کے ختم ہونے کے بعد اگر اس حالت اکراہ کے اجارہ کو نافذ کرتا ہے تو وہ درست ہوکر نافذ ہوجائے گا۔

وأمـا الـذى يـرجـع إلـى العاقد فرضى المتعاقدين لقوله عزوجل (ياأيها الذين آمنوا لاتأكلواأموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عـن تـراض مـنكم) والإجارة : تجارة لأن التجارة تبادل المال بالمال

والإجارة كذلك ولهذا يملكها الماذون وأنه لايملك ما ليس بتجارة فثبت أن الإجارة تجارة فدخلت تحت النص وقال النبى ﷺ لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيبة من نفسه فلا يصح مع الكراهة والهزل والخطأ لان هذه العوارض تنافى الرضاء فتمنع صحة الإجارة ، ولهذا امتنعت صحة البيع. (بدائع : ٤/ ٢٤ كذا فى الفقه الاسلامى وأدلته : ٤/ ٥٢٩)

يشترط فى صحة الإجارة رضا العاقدين،(شرح مجله على حيدر:٤٢٥/٢)

وفى المادة (١٠٠٦) لايعتبر البيع الذى وقع باكراه معتبر ولا الشراء ولا الإيجار ولا الهبة ولا الفراغ ولا الصلح ولا الاقرار والإبراء عن مال ولا تاجيل الدين ولا اسقاط الشفعة ملجئًا كان الإكراه أو غير ملجئ ولكن لو أجاز المكرَه ماذكر بعد زوال الاكراه يعتبر. (شرح المجله: ٢/ ٦٥٨)

معقود علیہ سے متعلق شرطِ صحت :

(۲) جس چیز کو اجارہ پر دیا جا رہا ہو اسے **متعین وممتاز** کرنا ضروری ہے، عدم تعیین کی صورت میں جہالت ہوگی جو مفضی الی المنازعہ ہونے کے سبب صحت عقد کے لیے مانع ہوگی؛ لیکن عدم تعیین کے ساتھ عقد ہونے کے بعد اگر جہالت ختم ہوگئی تو اجارہ درست ہو جائے گا۔

النوع الثانى: تعيين الماجور ـ(شرح مجله : ٢/ ٤٢٠)

يلزم تعيين المأجور ؛ بناء عليه لايصح إيجار أحد الحانوتين من

دون تعيين أو تمييز (٤٢٥)

يلزم في صحة الإجارة (أي عدم فسادها) تعيين المأجور لأن الجهل بالمأجور يستلزم الجهل بالمنفعة وهو مما يؤدى الى التنازع، فإن تعين المأجور بعد العقد وحصل رضاء الطرفين فالإجارة صحيحة. (شرح المجله: ٤٢٦)

ومنها بيان محل المنفعة حتى، لو قال أجرتك إحدى هاتين الدارين أو أحد هٰذين العبدين: أو قال استأجرت أحد هذين الصانعين لم يصح العقد لأن المعقود عليه مجهول لجهالة محله جهالة مفضية إلى المنازعة فتمنع صحة العقد.(بدائع : ٤/ ٢٥، كذافى الفقه الاسلامى أدلته : ٤ / ٥٣٠)

(۳) جس چیز کو اجارہ کے طور پر دیا جارہا ہے وہ موجر کے قبضہ میں ہو چاہے منقول ہو یا غیر منقول ہو۔

وأما الذى يرجع الى محل المعقود عليه فهو أن يكون مقبوض المؤاجرة إذا كان منقولا فإن لم يكن فى قبضه فلاتصح اجارته: لنهى النبى ﷺ عن بيع ما لم يقبض والإجارة نوع بيع فتدخل تحت النهى، ولان فيه غرر انفساخ العقد لاحتمال هلاك المبيع قبل القبض فينفسخ البيع فلا تصح الإجارة (وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع فيه غرر) وان لم يكن منقولا فهو على الاختلاف المعروف فى بيع العين أنها تجوز عند ابى حنيفة وأبى يوسف ولاتجوز عند محمد وقيل فى

الإجـارـة لاتـجـوز بـالاجـمـاع ـ(بـدائـع : ٤ / ٤٧) هكذا فى فقـه الاسلامى وأدلته : ٤/ ١ ٤ ٥)

(۴) شئ معقود علیہ کے منافع بھی معلوم ہو؛ ورنہ تو عقد مفضی الی النزاع ہونے کے سبب درست نہ ہوگا۔

يشتـرط فـى الإجارة ان تكون المنفعة معلومة بوجه يكون مانعًا لـلـمـنـازعة أى أنـه يشرط فى الإجارة أى فى صحتها، أولًا أن تكون الـمـنـفـعة مـعـلـومة بوجه يكون مانعًا للمنازعة ـ(شرح المجله على حيدر: ٢/ ٤٢٧ ، كذافى البدائع: ٢٤/٤)

(۵) مالک خود بھی شئ مستاجرہ کے منافع پر حقیقتاً وشرعاً قدرت رکھتا ہو۔یعنی جس چیز کو اجرت پر دیا جارہا ہو وہ حقیقتاً وشرعاً مستأجر کے سپرد کرنا مالک کے اختیار میں ہو، پس مغصوبہ زمین کی بطور اجارہ سپردگی شریعت کی رو سے مالک کے اختیار میں نہیں، اسی طرح بھگوڑے غلام کو بطور معقود علیہ پیش کرنا حقیقت میں دشوار ہے۔

النوع الخامس أن يمكن استيفاء المنفعة (/ ٤٢٠)

يشتـرط أن تـكـون الـمـنفعة ممكنة الحصول بناء عليه لا يصح إيجار الدابة الضارة : (رقم المادة ٤٥٧ ص / ٤٣٢)

ومـنهـا أن يـكـون مـقـدور الاستيـفـاء حقيقة وشرعًا لان العقد لايـقـع وسيلة الى المعقود بدونه فلا يجوز استيجار الآبق لأنه لايقدر على استيفاء منفعة حقيقة لكونه معجوز التسليم حقيقة ولهٰذا لم يجز

بيـعـه ولا يجوز إجارة المغصوب من غير الغاصب كما لا يجوز بيعه مـن غيـره لـما قلنا۔(بدائع : ٣٦/٤) هكذا فى الفقه الاسلامى وأدلته : ٥٣٤/٤)

(٦) معقود علیہ کی منفعت کا حصول شرعاً مباح ہو؛ مثلا یہ کہ کتاب کو دیکھنے اور پڑھنے کے لیے عقد اجارہ کا معاملہ کیا جائے۔

أن تكون المنفعة المعقود عليها مباحة شرعا : كاستيجار كتاب لـلـنـظـر والـقـراءة فيه والنقل منه واستيجاردار للسكنى فيها وشبكة للصيد ونحوها ۔(الفقه الاسلامى وأدلته : ٤/ ٥٣٦)

(٧) اجرت کی مقدار اور وصف معلوم ہونا ضروری ہے، مثلا: یہ کہ عروض ہوگی یا ثمن ہوگی، اور کتنی مقدار میں ہوگی اور کسی نوع کی ہوگی؛ کیوں کہ عدم علم کی صورت میں معاملہ مفضی الی النزاع ہوگا۔

وأما الذى يرجع إلى مايقابل المعقود عليه وهو الأجرة والأجرة فـى الإجـارات معتبرة بالثمن فى البياعات لأن كل واحد من العقدين مـعـاوضة الـمـال بالمال فما يصلح ثمنا فى البياعات يصلح أجرة فى الإجـارات ومـالا فـلا وهـو أن تـكـون الأجـرة مالا متقوما معلوما. (بدائع : ٤/ ٤٧)

(٨) طے شدہ اجرت معقود علیہ کی جنس سے نہ ہو بلکہ الگ ہو؛ مثلاً یہ کہ کرایہ پر مکان یا دوکان دی ہو اور بطور اجرت دوسرے مکان یا دوکان کی رہائش کو بیان کیا جائے تو اجارہ درست نہیں۔

ومنها أن لاتكون الأجرة منفعة هى من جنس المعقود عليه كإجارة السكنٰى بالسكنٰى والخدمة بالخدمة (بدائع : ٤ / ٤٨)

شارح مجلّہ وصاحب الفقہ الاسلامی اَدلتہ نے مذکورہ دونوں شرائط (۳۔۴) کوایک ہی قاعدہ(يشترط أن تكون الأجرة معلومة)**کےتحت بیان کیا ہے۔**

(١) يشترط لصحة الإجارة أى لعدم فسادها أوّلًا أن تكون الأجرة معلومة تمامًا قدرًا ونوعا أى لايكون شيئ منها مجهولا كلاً أو بعضًا ...... إيضاح الشرط الأول العلم بالقدر، يكون ببيان العدد كقولك بعتك المال الفلانى بكذا ذهبًا.والعلم بالنوع، وذلك يكون ببيان نوع الدينار المراد فى العقد.

(٢) ثانيا ان تكون الأجرة من نوع المنفعة المعقود عليها..... إيضاح الشرط الثانى ،كون الأجرة ليست من جنس المنفعة المعقود عليها، (شرح مجله: ٤٢٦ـ٤٢٧)

وأما شروط الأجرة فهى اثنان، (١)أولًا ان تكون الأجرة مالاً متقوماً معلومًا (٢) ثانيًا أن لا تكون الأجرة منفعة هى من جنس المعقود عليه (الفقه الاسلامى : ٤/ ٥٤٣ـ٥٤٦)

معقود علیہ اور اجرت کے ہم جنس ہونے کی وضاحت:

اس مسئلہ کے عدمِ جواز کی دو الگ الگ دلیلیں کتبِ احناف میں مذکور ہے۔

(الف) بطور اجرت طے کی جانے والی منفعت معدوم ہے، شئی مستأجرہ کی منفعت بھی معدوم ہے، مگر شئی مستاجرہ کی منفعت کو خلاف قیاس موجود مان کر

اجارہ درست کہا گیا، جب کہ ایسے معدوم منافع کو بطور اجرت طے کرنے پر کوئی دلیل نہیں، بنابریں اصل قاعدہ کے مطابق اجرت معدوم ہوئی لہٰذا اجارہ درست نہ ہوگا۔

والکلام فی فرع کیفیة انعقاد ھذا العقد فعندنا ینعقد شیئا فشیئا علی حسب حدوث المنفعة فلم تکن کل واحد من المنفعتین معینة بل ھی معدومة وقت العقد فیتأخر قبض أحد المستأجرین فیتحقق ربا النساء والجنس بانفراده یحرم النساء عندنا کاسلام الھروی فی الھروی ۔(بدائع : ٤/ ٤٩)

(ب)اجارہ بہ سبب حاجت خلافِ قیاس جائز کہا گیا ہے، پس اگر دوسرے فریق کے پاس بھی ایسی ہی منفعت موجود ہے جو وہ کرایہ پر لینا چاہتا ہے، تو یہ اجارہ بلا فائدہ ہوا، مثلاً گھر ہوتے ہوئے دوسرے کا گھر کرایہ پر لینا اوراس کو بطور اجرت اپنا ہی گھر رہنے کے لیے دینا، بلا فائدہ ہے، بایں طور کہ اپنے گھر میں خود ہی رہنا چاہے۔

وحقیقة الفقه فی المسألة ماذکره الشیخ أبو منصور الماتریدی ھی أن الإجارة عقد شرع بخالف القیاس لحاجة الناس ولا حاجة تقع عند اتحاد الجنس فبقی علی أصل القیاس والحاجة تتحقق عند اختلاف الجنس فیجوز. (بدائع : ٤/ ٤٩)

یہ دوسری دلیل اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اجرت اور معقود علیہ ہم جنس ہونے کے باوجود حاجت پوری کرنے اور فائدہ دینے میں متفاوت ہو تو اجارہ

درست ہونا چاہئے۔

(۹) اِجارۃ الاعمال میں عمل اور اِجارۃ المنافع میں تعیین مدت ضروری ہے

وأما بيان المدة : فهو مطلوب فى إجارة الدور و المنازل و البيوت والحوانيت لان المعقود عليه لايصير معلوم القدر بدونه فترك بيانه يفضى الى المنازعة ـ(الفقه الاسلامى وادلته: ٤/ ٥٣٠)

وأما بيان العمل : فى استيجار الصناع والعمال فهى أمر مطلوب منعا من الجهالة لان جهالة العمل فى الاستيجار على الأعمال جهالة مفضية إلى المنازعة فيفسد العقدـ (الفقه الاسلامى وأدلته: ٤ / ٥٣٢، كذا فى البدائع: ٤/ ٢٧)

(۱۰) جس چیز کا عقد کیا جا رہا ہے، وہ پہلے سے واجب یا فرض کے طور پر مکلّف پر لازم نہ ہو، ورنہ تو اجارہ درست نہ ہوگا؛ مثلاً یہ کہ شوہر اپنی بیوی سے گھریلو امورِ خدمت پر اجارہ کا معاملہ کرے تو درست نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ اس پر دیانتاً واجب ہے۔

أن لايكون العمل الذى استوجر له الاجير واجبًا عليه أو فرضاً قبل الإجارة لأن الإجارة تعقد للانتفاع بخلاف البيع الذى يقصد منه ملك الرقبة لا الانتفاع الموقت مثلا لو استأجر زوجة رجل لطبخ طعام بيته او لخدمة اخرى من الخدمات البيتية فلا يكون صحيحا وليس للزوجة أجر لأن هذا العمل واجب عليها ديانتًا لان البنى ﷺ قسّم الاعمال بين فاطمة وعلىٍّ فجعل عمل الداخل على فاطمة

وعمل الخارج على عليٍّ فلا تنعقد هذه الإجارة۔ (شرح المجله : ٢/ ٤٣٢ ۔ ٤٣٣) هكذا فی البدائع : ٤/ ٤٣ والفقه الاسلامی : ٤/ ٥٣٧)

(۱۱) تمام شرائط صحت کے پائے جانے کے ساتھ شرائط انعقاد کا پایا جانا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر اجارہ درست نہیں۔

النوع السادس : وجود شرط الانعقاد (شرح المجله : ٤٢٠)

شرائط لزوم:

وہ شرائط ہیں جن کے پائے جانے کے سبب عقد مؤکد اور لازم ہو جاتا ہے، اوران میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو منعقد ہونے کے باوجود اس عقد کو فسخ کرنا ضروری ہے۔ یہ شرائط دو طرح کی ہیں: ایک وہ جن کا ابتداءِ عقد میں پایا جانا ضروری ہوں ، چنانچہ تمام شرائط انعقاد اور شرائط صحت ؛ شرائط لزوم بھی ہیں۔ دوسری وہ شرائط ہیں جن کا پایا جانا بقاء اور دوامِ عقد کے لیے ضروری ہیں، پس ان میں سے کسی شرط کے فوت ہونے پر آئندہ اجارہ لازم نہ ہوگا۔

ان شرائط کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) عقد اجارہ تمام ارکان وشرائط کے پائے جانے کے ساتھ صحیح منعقد ہوا ہو، کسی وجہ سے فساد نہ آیا ہو۔ ورنہ تو عقد کا فسخ ضروری ہوگا۔

وأما شرط اللزوم فنوعان : نوع هو شرط انعقاد العقد لازمًا من الاصل ونوع هو شرط بقائه على اللزوم.

منها أن يكون العقد صحيحًا لان العقد الفاسد غير لازم بل هو مستحق النقض والفسخ رفعًا للفساد حقا للشرع فضلا عن الجواز.

(بدائع : ٤/ ٥١)

النوع الأول : وجود شروط الانعقاد والنفاذ والصحة لأن الإجارة التی لاتکون منعقدة لاتکون لازمة. (شرح المجله علی حیدر: ٢/ ٤٢٠)

(۲) شئ مستأجرہ بوقت عقد یا بوقت قبضہ کوئی ایسے عیب سے خالی ہو جس سے اس چیز کا انتفاع متأثر ہوتا ہو۔

ومنها أن لایکون بالمستأجر عیب فی وقت العقد أو وقت القبض یخل بالانتفاع به فإن کان لم یلزم العقد. (بدائع : ٤ / ٥١)

(۳) مستأجر نے بوقت عقد یا قبل العقد شئ مستأجرہ دیکھ لی ہو، نہ دیکھنے کی صورت میں خیار رؤیت ملنے کی وجہ سے اجارہ لازم نہ ہوگا۔

منها أن یکون المستأجَر مرئی المستأجِر حتی لو استأجر داراً لم یرها ثم رأها فلم یرض بها أنه یردها لان الإجارة بیع المنفعة فیثبت فیها خیار الرؤیة۔(بدائع: ٤/ ٥١)

شارح مجلّہ علی حیدر تحریر فرماتے ہیں کہ عقد اجارہ خیارات ثلاثہ (عیب، شرط، رویت) سے خالی ہو؛ ورنہ تو لزوم نہ ہوگا۔

أن تکون الإجارة خالیة من إحدی الخیارات ولذلك فاللتی تکون فیها أحد الخیارات لاتکون لازمة(شرح المجله : ٢/ ٤٢١)

(۴) اجارہ کے لازم ہونے کے لیے جس طرح شئ مستأجرہ کا پہلے سے خالی عن العیب ہونا ضروری ہے، اسی طرح بقاءِ اجارہ کے لیے بھی خالی عن العیب

ہونا ضروری ہے، یعنی اگر بعد میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جو انتفاع میں مانع ہو تو بقیہ مدت کے لیے اجارہ لازم نہ رہے گا؛ کیوں کہ عقدِ اجارہ امضاء مدت کے ساتھ (شيئا فشيئا) وجود میں آتا ہے، پس جس وقت عیبِ حادث نمودار ہوگا، اس کے بعد کے منافع معیوب ہو گئے اور منافع ہی تو معقود علیہ ہے لہٰذا معقود علیہ کے عیب دار ہونے کے سبب مستأجر عقد اجارہ کو فسخ کرنے یا باقی رکھنے میں مختار ہوگا۔

أحدهما سلامة المستأجر عن حدوث عيب يخل بالانتفاع به فإن حدث به عيب يخل بالانتفاع به لم يبق العقد لازما حتى لو استأجر عبدا بخدمة أو دابة يركبها أو دارا يسكنها فمرض العبد أو عرجت الدابة أو انهدم بعض بناء الدار فالمستأجر بالخيار إن شاء مضى على الإجارة وإن شاء فسخ۔(بدائع: ٤/ ٥١)

(۵) متعاقدین میں سے کسی میں یا شیئ ماجور میں کوئی ایسا مانع پیش آجائے جس کی وجہ سے وہ آئندہ اجارہ جاری رکھنے سے معذور ہو۔

الثاني : عدم حدوث عذر بأحد العاقدين أو بالمستأجر فإن حدث بأحدها أو بالمستأجر عذر لا يبقى العقد لازمًا وله أن يفسخ وهذا عند أصحابنا۔(بدائع :٤/ ٥٢)

ثانيها : عدم حدوث عذر يجيز فسخ الإجارة : كمااذا حدث عذر بأحد العاقدين أو بالشئ المأجور فيحق للمتعاقدين فسخ العقد

(١) عذر من جانب المستأجر: مثل إفلاس المستأجر

(٢) عذر من جانب المؤجر مثل لحوق دين قادح به لايجد طريقا

لقضائه إلا ببيع الشئ المأجور وأدائه من ثمنه

(٣) عذر فى العين المؤجرة أو الشئ الماجور:

مثال الأول أن يستأجر رجل حماما فى قرية ليشغله مدة معلومة ثم يهاجر أهل قرية فلا يجب عليه الأجر للموجر ومثلوا للثانى بعتق العبد المأجور كأن يوجر رجل عبده سنة فلما مضت ستة أشهر أعتقه فيكون العبد بالخيار بين البقاء على الإجارة وفسخها. (الفقه الاسلامى وأدلته: ٤/ ٥٥٠)

اجارہ کا حکم:

عاقدین عقد کے بعد متصلاً بدلین (اجرت اور منفعت) کے "شیئا فشیئًا" مالک ہوتے چلیں جائیں گے، کیوں کہ منفعت شئ حادث ہے، جو آن در آن وجود میں آتی ہے اور مستأجر اس کا مالک بنتا چلا جاتا ہے، لہٰذا اس کے مقابل اجرت کا بھی موجر مالک بنتا چلا جائے گا۔

وحكمها (الإجارة) وقوع الملك فى البدلين ساعةً فساعةً وفى الشامية لأن المنفعة عرض لاتبقى زمانين فاذا كان حدوثه كذلك فيملك بدله كذلك قصدا للتعادل .(در مع شامى: ٧/٩)

وأما الاول فهو ثبوت الملك فى المنفعة للمستأجر وثبوت الملك فى الاجرة المسماة للآجر لأنها عقد معاوضة اذ هى بيع المنفعة للمستأجر وثبوت الملك فى العوضين...... وأما كيفية ثبوت حكم العقد فعندنا يثبت شيئا فشيئا على حسب حدوث محله

و هو المنفعة لأنها تحدث شيئا فشيئا۔(بدائع :٤/ ٥٩) كذا فى الفقه الاسلامى و أدلته: ٤/ ٥٥٥)

اداءِ اجرت کا طریقۂ کار

اجرت سے متعلق اصولی بات یہ ہے کہ متعاقدین جس طرح اجرت ادا کرنے پر راضی ہوجائیں اور طے کرلیں اس کا اعتبار کیا جائے گا؛ چاہے(۱) پیشگی ادا کرے۔(۲) یا منافع وصول کرنے کے بعد ادا کرے۔ (۳) یا قسط وار ادا کرے، یعنی منافع کی تقسیط کے مطابق اجرت کی بھی تقسیط کردے، جیسے سالانہ بنیاد پر کسی مکان کے کرایہ کا معاملہ کرے، مگر ہر ماہ کرایہ ادا کردے۔(۴) یا ادھار ادا کرے۔ یا کوئی اور شکل طے کریں، الغرض عاقدین جس طریقہ سے طے کرنا چاہیں ازروئے شرع اس بابت دونوں مختار و مجاز ہوں گے۔

يعتبر و يراعى كل ما اشترطه العاقدان فى تعجيل الأجرة و تأجيلها ، أى أنه يجب أن يعتبر و يراعى كل ما اشترطه العاقدين من تعجيل الأجرة أو تقسيطها أو تأجيلها(شرح المجله على حيدر:٢/ ٤٥٥)

استحقاق اجرت کی صورتیں

(۱)مستأجر منافع وصول کرچکا ہو یا مؤجر نے مستاجر کو منافع وصول کرنے کا اختیار دے دیا ہو؛ بایں طور کہ شئ مستأجرہ اس کے حوالہ کردی ہو، یا مکان، دوکان وغیرہ کی چابی حوالہ کردی ہو تو اس صورت میں اجرت واجب ہوجائے گی، اس لیے کہ مستأجر اس وقت معوض کا مالک بن جاتا ہے، لہٰذا موجر اس کے بدل یعنی

اجرت کا حقدار ہو جائے گا۔

باستيفاء المعقود عليه وهو المنافع شيئًا فشيئًا أو بالتمكين من الاستيفاء بتسليم العين الموجرة إلى المستأجر وتسليم المفتاح أيضا لأن المستأجر يملك حينئذ المعوض فيملك المؤجر العوض فى مقابلته تحقيقا للمعاوضة المطلقة وتسوية بين العاقدين فى حكم العقد۔(الفقه الاسلامى: ٤/ ٥٥٦ كذا فى البدائع :٤/ ٦٢)

(۲) عقد اجارہ چونکہ شیئا فشیئا وجود میں آتا ہے،اس اعتبار سے اجرت بھی شیئا فشیئا واجب ہوتی ہے اور یہ ہی معاوضہ اور مساوات کا تقاضہ ہے؛لیکن موجر صلبِ عقد میں اجرت معجّل ادا کرنے کی شرط لگادے تو یہ معتبر ہوگی ،جیسا کہ حدیث میں ہے(المسلمون عند شروطهم **)اور یہ اجارہ ''** مقيد بشرط التعجيل **'' ہوگا ،اس صورت میں منافع حاصل ہونے سے پہلے ہی عوض (اجرت) پرملکیت ثابت ہو جائے گی۔اور موجر اس کا مالک سمجھا جائے گا اور اس کے مطالبہ کا حقدار ہوگا۔**

أما ملكها بشرط التعجيل فلان ثبوت الملك فى العوضين فى زمان واحد لتحقيق معنى المعاوضة المطلقة وتحقيق المساواة التى هى مطلوب العاقدين ومعنى المعاوضة والمساواة لايتحقق إلا فى ثبوت الملك فيهما فى زمان واحد فاذا شرط التعجيل فلم توجب المعاوضة المطلقة بل المقيدة بشرط التعجيل فيجب اعتبار شرطها لقوله ﷺ : (المسلمون عند شروطهم) فيثبت الملك فى العوض قبل

ثبوته فی المعوض۔(بدائع : ٤/ ٦١) كذافی الففقه الاسلامی :٤/ ٥٥٦)

(۳) مستأجر از خود بلا شرط تعجیل پیشگی اجرت ادا کر دے، تو اس صورت میں بھی موجر اجرت کا مالک بن جائے گا۔اس لیے کہ مستأجر کو تاخیر اجرت کا حق حاصل تھا لیکن پیشگی ادا کر کے وہ اپنے اس حق کو ساقط کر رہا ہے، گو کہ ایسا کرنا عقد کے مقتضٰی یعنی مساوات خلاف ہے لیکن پھر بھی درست ہوگا۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ نفس عقد استحقاق اجرت کا سبب ہے، حقیقتاً اجرت کا وجوب تسلیم منافع کے بعد ثابت ہوتا ہے؛ پس چونکہ سبب پایا گیا اس لیے بلا وجوب بھی اثبات حکم کی گنجائش ہے، لہٰذا ہم نے حکم کو ثابت مانا جیسا کہ کسی شخص کو مہلک زخم لگا دیا تو قبل الموت اس کا کفارہ ادا کرنے کی گنجائش ہے۔

أما إذا عجل الأجرة من غير شرط فلانه لما عجل الأجرة فقد غيّر مقتضى مطلق العقد و له هذه الولاية لأن التاخير ثبت حقا له فيملك ابطاله بالتعجيل كمالو كان عليه دين مؤجل فعجله و لان العقد سبب استحقاق الاجرة فالاستحقاق و ان لم يثبت فقد انعقد سببه و تعجيل الحكم قبل الوجوب بعدوجود سبب الوجوب جائز كتعجيل الكفارة بعد الجرح قبل الموت۔(بدائع: ٤/ ٦٢) كذا فی الفقه الاسلامی: ٤/ ٥٥٦)

خلاصہ یہ ہوا کہ مستأجر پر اجرت واجب ہونے کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) منافع وصول کر لے اس صورت میں اجرت کا واجب ہونا واضح ہے۔

(۲)مستأجراز خود پیشگی اجرت ادا کرے اس کا حکم بھی واضح ہے۔

(۳)عقد میں تعجیل کی شرط تسلیم کر لی جائے یعنی مکمل منفعت کے استیفاء سے پہلے یا قدرت وتمکین علی المنافع سے بھی پہلے اجرت کی ادائیگی کی شرط مستأجر تسلیم کرلےتو (المسلمون عند شروطهم) کے مطابق اس پراجرت واجب ہوگی۔

(۴)مؤجر مستأجر کو منافع پر قدرت اور تمکین دے دے ،جیسے کرایہ کی دوکان یا مکان کی چابی حوالہ کردی مگر مستاجر نے منافع وصول نہیں کیے،تو استیفاءِ منافع کے بغیر بھی اجرت مستأجر کے ذمہ واجب ہوگی۔

بدلِ اجارہ (اجرت) کے احوال واوصاف سے متعلق احکام

جو چیز بیع میں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہ عقدِ اجارہ میں بدل یعنی اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، اس لیے کہ اجرت منفعت کا ثمن ہے،لہٰذا مبیع کے ثمن پراس کو قیاس کیا جائے گا؛ لیکن اس کا برعکس نہیں ہوگا،یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو چیز ثمن نہیں بن سکتی وہ اجرت بھی نہیں بن سکتی۔

پس ہر وہ چیز جو مبیع کا ثمن بن سکتی ہو وہ بدل الاجارہ یعنی اجرت بن سکتی ہے؛ مگر ہر وہ چیز جو اجرت بن سکتی ہے وہ مبیع کا ثمن بنے یہ ضروری نہیں۔ کیوں کہ جانبین میں منفعت ہوتو اجارہ درست ہوسکتا ہے، نہ کہ بیع ،اس لیے کہ منفعت کو ثمن نہیں بنایا جاسکتا۔

وكل ما صلح ثمنا أى بدلا فى البيع صلح أجرة لأنها ثمن

المنفعة و لا ينعكس كليا فلا يقال ما لا يجوز ثمنًا لايجوز أجرة لجواز إجارة المنفعة بالمنفعة إذا اختلفا۔(در محتار: ۹/ ٦)

وہ چیزیں جو بدل الاجارہ بن سکتی ہے درج ذیل ہیں:

(۱) نقود، چاہے از قبیل دین ہو یا عین۔

دین کی مثال: جیسا کہ کسی شخص کا دوسرے پر دین تھا، اب مدیون دائن کو اپنی مملوکہ چیز بعوض دین اجارہ پر دے یا خود اس دائن کے لیے بطور اجرت کوئی کام یا مزدوری کر لے تو یہ درست ہوگا۔

النقود : سواء أكانت دينا أم عينا ؛ مثال للدين :كما يصلح الدين لأن يكون ثمنا للمبيع يصلح لأن يكون بدل إجارة أيضا كما لو كان لشخص فى ذمة آخر دين فاستأجر ملكا له أو استأجره نفسه بما فى ذمته من الدين فالإجارة صحيحة . (شرح المجله :۲/ ٤٤٣)

(۲) اشیاء مثلیہ؛ چاہے از قبیل دین ہو یا عین۔

ماعدالنقود من المثليات سواء أكانت دينا او عينا.

(۳) وہ اشیاء جو متقوم ہو اور اس کا بدل بطور قیمت طے ہوسکتا ہو؛ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ معین ومعلوم ہو۔

القيميات : ويشترط فيها أن تكون معينة و معلومة .

(۴) منافع جبکہ اس کی جنس منافع مستأجرہ سے مختلف ہو، جیسا کہ ایک شخص نے باغ بطور اجرت دیا اور بدل اجارہ کے طور پر سواری کو متعینہ مدت کے لیے طے کیا تو یہ درست ہوگا کیوں کہ یہ مختلف الجنس ہے۔

المنافع : إلا أنـه يشتـرط أن تـكـون هذه المنفعة مخالفة لمنفعة المـأجـور؛ مثلا يجوز أن يستأجر بستان فى مقابلة دابة أى أن تجعل بدل إجارة أو سكن دار. (شرح المجله: ٢/ ٤٤٣)

نوٹ: قواعدِ فقہ کے مطابق دو چیزیں اجارہ میں اجرت بن سکتی ہیں، مگر بیع میں ثمن نہیں بن سکتی۔(۱) منافع۔(۲) ذوات القیم اشیاء۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ:

(۱) منافع بوقت عقد معدوم ہوتے ہیں اس لیے اس کو بطور ثمن بیان کرنا درست نہیں، جبکہ منافع کو مختلف الجنس ہونے کی صورت میں بطور بدل اجارہ (اجرت) کے بیان کرنا درست ہے۔

پس اگر عقدِ بیع میں مبیع کا ثمن 'منافع' طے کیا جائے تو یہ بطور بیع درست نہیں، یعنی اس عقد کو بیع نہیں کہا جائے گا۔ البتہ 'اجارہ' کہہ سکتے ہیں؛ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ لفظ 'بیع' سے بھی اجارہ منعقد ہوسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو: صیغۂ اجارہ کی بحث۔

(۲) ثمن: اصطلاح فقہاء میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جو مبیع کے عوض کے طور پر ذمہ پر واجب ہو، اور ذوات القیم اشیاء جیسے کہ حیوانات اور کپڑے وغیرہ ذمہ پر واجب نہیں ہوتے، اوران کی خارج میں تعیین ضروری ہے، اس لیے ایسی اشیاء ثمن نہیں بن سکتی، البتہ ایسی اشیاء کو بدل اجارہ یعنی اجرت کے طور پر بیان کرنا اور دینا درست ہے۔

ملاحظہ: ثمن کا مذکورہ معنی اصل اصطلاح فقہاء کے اعتبار سے ہے۔ البتہ استعمالِ عام میں ثمن ہر اس چیز کو بھی کہا جاتا ہے جو بطور بدل بیان کیا جائے، جیسے

بیع مقایضہ میں ’’العین بالعین‘‘ کا معاملہ ہوتا ہے اور دونوں اعیان مبیع اور ثمن سمجھے جاتے ہیں، اس اعتبار سے اعیان کو بھی ثمن کہہ سکتے ہیں، پس اس معنی کے اعتبار سے ایسی اشیاء ثمن بھی بن سکتی ہے، اور بدل اجارہ (اجرت) بھی بن سکتی ہے۔

ماصلح فی البیع لأن یکون ثمنا یصلح لأن یکون فی الإجارة بدلا لأن الأجرة ثمن المنفعة فتعتبر ثمن المبیع و یستعمل الثمن فی هذا علی معنیین :

الاول : بدل المبیع و یتعلق بالذمة و یلزمها و فی هذا المعنی یصح أن یکون الثمن من المکیلات و الموزونات و العددیات المتقاربة و النقود، أما الأعیان فبما أنها لایمکن أن تثبت فی الذمة فلا تکون بالنظر الی هذا المعنی ثمناً .

الثانی البدل مطلقا...... أی کل مایجعل عوضا للمبیع، فکما یصح أن یکون الثمن فی هذا المعنی من النقود و المکیلات و الموزونات و العددیات المتقاربة یصح أن یکون من الأعیان التی لیست من المثلیات کالحیوانات و الثیاب .

فعلیه یصح أن یکون الثانی هو المعنی المراد کما یصح أن یکون المراد بالثمن فی هذه المادة معناه الأول .

(۲) مالایصلح فی البیع ثمنا یصلح أن یکون فی الإجارة بدلا و ما لایصلح ثمنا إذا استعمل الثمن فی معناه الأول یکون منافع و أعیانا و اذا استعمل فی معناه الثانی یکون منافع (شرح المجله: ۴۴۳/۲)

ومـالايصلح ثمناً يصلح أجرة أيضا كالاعيان، قال المحشى فيه كـالـمـنـفـعة فـانهـا لاتـصـلـح ثـمنا وتصلح اجرة إذا كانت مختلفة الـجـنـس.......(كـالأعيـان) أى التـى هى ليست من ذوات الامثال كـالحيوان والثياب مثلا إذا كانت معينة صلح أن تكون أجرة كما إذا استأجر دارا بثوب معين وإن كان لاتصلح ثمنا۔(هدايه : ۳/ ۲۹۵)

اجارہ کی اقسام

تمہید:

عموماً اجارہ کے مسائل (اجیر خاص واجیر مشترک) یعنی اجارہ خاصہ ومشترکہ کے ضمن میں ذکر کئے جاتے ہیں اور بطور معقود علیہ اجیر خاص میں وقت اور اجیر مشترک میں منفعت کو طے کیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر اجارہ مشترکہ میں اجیر سے حقیقی انتفاع اور اجارہ خاص میں تمکن علی الانتفاع پر معاملہ طے ہوتا ہے۔

لیکن اجیر کے علاوہ دیگر چیزیں معقود علیہ ہوں تو اس میں بھی مذکورہ دونوں معنی (انتفاع حقیقی یا تمکن علی الانتفاع) پائے جاتے ہیں، مثلاً مکان یا دکان بطور اجارہ مستأجر کو سپرد کیے گئے، تو اب چاہے مستأجر اس سے حقیقتاً انتفاع حاصل نہ کرے پھر بھی اجرت واجب ہو جائے گی جیسا کہ ہدایہ کی عبارت سے واضح ہے۔

واذا قبـض الـمستـأجـر الـدار فعليه الأجر وإن لـم يسـكنها لأن تسـليـم عيـن المنفعة لا يتصور فأقمنا تسليم المحل مقامه إذ التمكن من الانتفاع يثبت به. (هدايه : ۳/ ۲۹۷)

اسی وجہ سے صاحب بدائع علامہ کاسانیؒ دیگر مشائخ کے حوالہ سے مذکور تقسیم ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اجارہ میں دراصل منفعت کو بیچا جاتا ہے، اور منفعت اپنے محل کے اعتبار سے الگ الگ ہوتی ہے، جس کی بنیاد پر استیفاء کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں، نیز کبھی 'تسلیم محل' کو ہی استیفاء مان کر اس پر اجارہ کا حکم (وجوب اجرت) ثابت کردیا جاتا ہے۔

الأجير قد يكون خاصًا وهو الذى يعمل لواحد وهو المسمى بالأجير الوحد وقد يكون مشتركا وهو الذى يعمل لعامة الناس وهو المسمى بالأجير المشترك .

وذكر بعض المشائخ أن الإجارة نوعان : إجارة على المنافع وإجارة على الاعمال وفسر النوعين بماذكرنا وجعل المعقود عليه فى أحد النوعين المنفعة و فى الآخر العمل وهى فى الحقيقة نوع واحد لأنها بيع المنفعة فكان المعقود عليه المنفعة فى النوعين جميعًا إلا أن المنفعة مختلف باختلاف محل المنفعة فيختلف استيفاؤها باستيفاء المنازل بالسكنى والأراضى بالزراعة والثياب والحلل وعبيد الخدمة والدواب بالركوب والحمل والأوانى والظروف بالاستعمال والصناع بالعمل من الخياطة والقصارة ونحوهما وقد يقام فيه تسليم النفس مقام الاستيفاء كما فى أجير الوحد حتى لوسلم نفسه فى المدة ولم يعمل يستحق الأجرة. (بدائع ٤/ ١٦:)

اسی لیے بعض حضرات نے اجارہ کی دو قسمیں کی ہیں: (۱) اِجارۃ المنافع۔ (۲) اِجارۃ الاعمال۔ پھر اجارۃ العمل کے ضمن میں (۱) اجارۂ خاصہ (۲) اجارۂ مشترکہ کو ذکر کیا ہے۔

الإجارة نوعان : إجارة على المنافع : أى أن المعقود عليه هو المنفعة .

وإجارة على الأعمال : أى أن المعقودعليه هوالعمل. (الفقه الاسلامى وأدلته : ٤/٥٥٥)

الإجارة على الأعمال : هى التى تعقد على عمل معلوم كبناء و خياطة قميص وحمل الى موضع معين وصباغة ثوب واصلاح حذاء ونحوه.

والأجير نوعان : أجير خاص وأجير مشترك۔ (الفقه الاسلامى وأدلته : ٤/ ٥٦١)

سطور بالا کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اصلاً اجارہ ''بیع المنافع'' کا نام ہے، پھر منافع کے تنوع کے اعتبار سے اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۲) اجارہ کی تمام صورتیں اجارہ خاص اور اجارہ مشترک میں منحصر ہو، یہ ضروری نہیں ہے۔

(۳) بہت سے منافع کا عقد اجارہ مستقل نوعیت کا ہوتا ہے، جیسے مکان کرایہ پر لینا یا مختلف اشیاء کی اجارہ داری۔

(۴) آدمی کے منافع پر عقد ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں: اجارہ خاصہ اور اجارہ مشترکہ۔

(۵) عقد کی بعض صورتوں میں اجارہ خاصہ اور اجارہ مشترکہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں اور فقہاء دونوں کے مطابق احکام جاری کرتے ہیں۔

والحاصل أن المسائل فی الظئر تعارضت فمنها ما یدل علی أنها فی معنی اجیر الوحد کقولهم لعدم الضمان فی هذه ومنها ما یدل علی أنها فی معنی المشترك کقولهم أنها تستحق علی الفریقین إذا أجرت نفسها لهما ، قال الأتقانی والصحیح أنه إن دفع الولد إلیها لترضعه فهی أجیر مشترك وإن حملها إلی منزله فهی أجیر وحد، وقال فی العنایة : وذکر فی الذخیرة ما یدل علی أنها یجوز أن تکون خاصا ومشترکا حتی أجرت نفسها لغیره استحقت الأجر علی الفریقین کاملاً عملاً بشبه الأجیر المشترك وتأثم نظراً إلی أن لها شبها بالأجیر الخاص(فتح المعین ۳/ ۲۵۴، وکذا فی فتاوی الشامی :۶/ ۷۱)

(۶) اجارہ کی مختلف صورتوں میں سے فقط اجارہ مشترکہ میں ہی اجیر کے عمل پر اجرت کا وجوب موقوف ہے، بقیہ تمام صورتوں میں حصول منافع پر قدرت اور تمکن کافی ہے، پھر چاہے مستأجر منافع وصول کرے یا نہ کرے۔

اجارہ اور اجیر کی مختلف اقسام

اجارة المنافع: جس میں بطور معقود علیہ منفعت کو طے کیا جاتا ہے، یعنی اس عقد سے اشیاء کا مالک اپنی مملوک شئ کے منافع بغرض استعمال غیر کی طرف منتقل کر

دیتا ہے، اور بطور معاوضہ قیمت وصول کرتا ہے، جسے اجرت یا بدل الاجارہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

وذكر بعض المشائخ أن الإجارة نوعان : إجارة على المنافع وإجارة على الأعمال وفسر النوعين بماذكرنا وجعل المعقود عليه فى أحد النوعين المنفعة وفى الآخر العمل۔(بدائع : ٤/ ١٦)

اجارۃ العمل: جس میں معقود علیہ عامل کا عمل ہوتا ہے۔

پھر اجارۃ العمل کی دو قسمیں ہیں (۱) اجارۂ خاصہ (۲) اجارۂ مشترکہ۔

(۱) اجارۂ خاصہ: جس میں ایک معین شخص کسی دوسرے معین شخص کے لیے مزدوری کرتا ہے، اور طے شدہ مدت تک اپنے منافع اس کے حوالے کر دیتا ہے۔

والأجير قد يكون خاصاً وهو الذى يعمل لواحد وهو المسمى بأجير الوحد .(بدائع: ٤/ ١٦)

فالأجير الخاص أو أجيرالوحد : هوالذى يعمل لشخص واحد مدة معلومة . (الفقه الاسلامى: ٤/ ٥٦١)

(۲) اجارۂ مشترکہ: جس میں معین فرد تمام لوگوں کے لیے کام کرتا ہے، یعنی مستأجر کے ساتھ اپنے منافع پر وقت کی تحدید کے ساتھ عقد نہیں کرتا اور نہ ہی کسی ایک مستاجر کے لیے کام کرتا ہے۔

وقد يكون مشتركًا وهو الذى يعمل لعامة الناس وهو المسى بالأجير المشترك(بدائع : ٤/ ١٦) والأجير المشترك : هو الذى يعمل لعامة الناس.(الفقه الاسلامى: ٤/ ٥٦١)

دونوں میں فرق یہ ہے کہ اجارہ خاصہ میں اجیر اپنے منافع مستأجر کے حوالے کر دیتا ہے، پھر مستأجر کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ منافع استعمال کرے یا نہ کرے، جبکہ اجیر مشترک کے ساتھ بالفعل مخصوص منفعت پر عقد ہوتا ہے، پس وہ منفعت بالفعل پائی جائے تو اجرت کا حقدار ہوگا، ورنہ نہیں۔

صاحب ہدایہ دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بالفعل کوئی کام کرنے کا عقد ہو تو وہ اجارہ مشترکہ ہے، اس صورت میں عمل متعین ہونا ضروری ہے، اور اجیر کی منفعت پر عقد ہو یعنی منفعت مستأجر کے حوالے کر دینے پر عقد ہو تو اجارۂ خاص ہے، اس صورت میں وقت کی تعیین ضروری ہے۔

الإجارة قد يكون عقدا على العمل كاستيجار القصار و الخياط و لا بدأن يكون العمل معلومًا و ذلك فى الأجير المشترك وقد يكون عقدًا على المنفعة كما فى أجير الوحد و لابد من بيان الوقت.

(هدايه: ٢٩٦/٣)

اجیر خاص کے احکام:

اجیر خاص چونکہ مخصوص شخص کے لیے اپنے منافع اور اوقاتِ کار کو متعینہ مدت کے لیے مختص کر دیتا ہے، لہٰذا اب شئ مستأجرہ پر اسکے تصرف اور قبضہ کا کیا حکم ہوگا؟ اور اس پر متفرع ہونے والے احکام کیا ہیں، اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(١) اجیر خاص کے قبضہ کا حکم:

اجیر خاص کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوتا ہے، لہٰذا چیز جب تک اس کے قبضہ میں

ہے، بلا تعدی ہلاک ہونے کی صورت میں وہ ضامن نہ ہوگا اور تعدی کی صورت میں اس پر ضمان آئے گا۔

ولا يضمن ما هلك في يده أو بعمله كتخريق الثوب من دقه إلا إذا تعمد الفساد فيضمن كالمودع وفي الشامية، إذا تعمد الفساد فإنه يضمن. (شامی: ۹/ ۹۷)

لاخلاف في أن المستأجر أمانة في يد المستأجر كالدار والدابة وعبد الخدمة ونحو ذلك حتى لوهلك في يده بغير صنعه لا ضمان عليه لأن قبض الإجارة قبض مأذون فيه فلا يكون مضمونا كقبض الوديعة والعارية وسواء كانت الإجارة صحيحة أو فاسدة لما قلنا (بدائع: ٤/ ٧٢)

(۲) اجرت کا وجوب تسلیمِ نفس پر ہوتا ہے:

اجارۂ خاصہ میں معقود علیہ عمل ہے، لیکن تسلیم نفس اس کے قائم مقام ہے، لہٰذا تسلیم نفس ہونے کے باوصف عمل وجود میں نہیں آیا تو بھی اجرت واجب ہوگی، یعنی ایسی تسلیم جس میں اجیر عقد کے تحت طے شدہ عمل کرنے کے لیے تیار ہو۔ چاہے مستأجر اس کے عمل سے فائدہ حاصل کرے یا نہ کرے۔

لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے خود اجیر کام کرنے پر قادر نہیں تو پھر اجرت واجب نہ ہوگی، جیسا کہ بارش ہے جس کی وجہ سے کام نہیں ہوسکتا یا خود بیمار ہے تو اس شکل میں وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة وإن لم يعمل وفي

الشامية (أى إذا تمكن من العمل فلو سلم نفسه ولم يتمكن منه لعذر كمطر و نحوه لا أجر له) كمن استؤجر شهرا للخدمة أو شهرًا لرعى الغنم المسمى بأجر مسمى. (در مع الشامى: ٩/ ٩٥)

(۳)اجیر خاص اپنے اوقات کار کا پابند ہوگا:

اجیر خاص نے چونکہ اپنے اوقات کار اور منافع مخصوص شخص کے لیے مختص کر دیئے ہیں، لہٰذا اب اس وقت میں وہ غیر کے لیے کام نہیں کرسکتا، لہٰذا غیر کے لیے کام کرنے کی صورت میں آجر اس عمل اور وقت کی اجرت وضع کرسکتا ہے، البتہ اگر اجیر نے یہ عمل ممانعت کا علم نہ ہونے کی صورت میں کیا ہے تو وہ گنہگار نہ ہوگا جبکہ ممانعت کے علم ہونے کے باوصف کیا ہو تو گناہ گار بھی ہوگا۔

وليس للخاص أن يعمل لغيره ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل وفى الشامية نجار أستوجر إلى الليل فعمل لآخر دواة بدرهم و هو يعلم فهو آثم وإن لم يعلم فلا شئ عليه وينقص من أجر النجار بقدر ما عمل فى الدواة .(در مع الشامى: ٩/ ٩٦)

اجیر اپنے اوقات کار میں فرائض وسنن مؤکدہ ادا کرنے کا مجاز ہوگا، البتہ نوافل پڑھنے کا مجاز نہ ہوگا۔

وليس للخاص أن يعمل لغيره وفى الشامية: بل ولا أن يصلى النافلة قال فى التاتارخانية وفى الفتاوى الفضلى وإذا استأجر رجلا يوماً يعمل كذا فعليه أن يعمل ذلك العمل الى تمام المدة ولا يشتغل بشئ آخر سوى المكتوبة وقد قال بعض مشائخنا له أن يؤدى السنة

أيضا واتفقوا أنه لايؤدى نفلا۔(شامی: ٤/٩٦)

یہ حکم اس وقتِ ہوگا جبکہ وقتِ اجارہ میں کسی دوسرے عمل میں مشغول ہونا عمل اجارہ میں مخل بنتا ہواور عملِ اجارہ میں نقصان ہوتا ہو،جیسا کہ نجار کی مثال میں اوپر گزرا،پس اگر وقت اجارہ میں مفوضہ عمل ایسا ہو کہ دوسرے کے عمل میں مشغول ہونا عمل اجارہ میں مخل نہ بنے تو عرف کے مطابق اس کی اجازت ہونی چاہئے، جیسے دروازے پر بیٹھائے گئے چوکیدار کا رات کے وقت نماز پڑھنا،دکان کے ملازم کا فارغ اوقات میں تلاوت کرنا وغیرہ؛ہاں،کوئی ایسا کام نہیں کرسکتا جو منعقدہ اجارہ کے متضاد اور منافی ہو،جیسا کہ اجرت خاص پرآئے ہوئے نجار کا دوسرے شخص کے لیے دوات بنانا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسا کام نہیں کرسکتا:(۱) جس سے عمل اجارہ میں نقصان ہو۔(۲)عمل جارہ کی ضد ہو(۳) اس کو طے شدہ اجرت کے علاوہ نئی اجرت یا قیمت ملتی ہو۔(ہذا ما عندی)

(۴)دورانِ مدت غیر سے اجارہ کرنا۔

اجارۃ المنافع میں مستأجر اجارہ کی مدت کے دوران پہلے سے بہتر منافع یا وہی منافع کم اجرت کے عوض پائے یا اجارۃ الاعیان کی صورت میں پہلے سے زیادہ اجرت مل رہی ہے،تو اس کے لیے اس عقد اجارہ کی مدت جب تک ختم نہ ہو غیر سے اجارہ کی گنجائش نہیں۔

وإذا وجد الأجير مكانا خيرا من الأول من حيث الطعام ونحوه

أو كـان الأول بـدرهـم والثانى بدرهمين لم يجزله أن يعمل لغيره وان كان يدفع له مائة درهم ـ(هنديه: ٤/ ٥٧٠)

اجارہ میں حوالہ اور کفالہ کا حکم

اجرت میں حوالہ کی گنجائش ہے یعنی مستأجر اپنے پر واجب اجرت کا حوالہ کر دے اور مؤجر راضی ہو جائے تو یہ درست ہے اور اب مستأجر سے اجرت کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

جب کہ کفالۃ اجرت اور معقود علیہ (منفعت) دونوں میں ہوگا، بایں طور کہ کوئی تیسرا شخص اجرت یا منافع اور شئ مستأجرہ کا کفیل بن جائے یا یہ کہ اجارہ فسخ ہو جانے کی صورت میں اجرت کی واپسی کا کفیل بن جائے تو یہ درست ہے۔

وتـجـوز الـكـفـالة والحوالة فى جميع الاجارات بالأجرة فى عاجلها وآجلهـا سواء كانت الاجرة واجبة وقت الكفالة باستيفاء المنافع أو بـاشتـراط التعجيل أو لم تكن واجبة ويكون على الكفيل مثل ما على الأصيل ان لم يشرط خلافه فى تعجيل أو تأجيل۔ (هنديه: ٤/ ٦٦٠)

وقت کی تعیین میں عرف کی حیثیت

اجارۂ خاص میں جب متعاقدین وقت کی تعیین نہ کرے، مثلاً یومیہ مزدوری کا وقت عقد کے تحت طے نہیں ہوا تو وقت کی تعیین میں عرف معتبر ہوگا یعنی عرف کے مطابق اس کے اوقات کار متعین ہوں گے، اوراس میں وہ عمل کا پابند ہوگا۔ پس اگر عرف صبح سے عصر تک کا ہو تو عصر تک اور عرف صبح سے غروب تک کا ہو تو غروب

تک عمل ضروری ہے۔

اوراگر متعاقدین کے درمیان ابتداءِ وقت اورانتہاء وقت کی تصریح ہوجائے تو پھراس تعیین کے مطابق عمل لازم ہوگا،عرف چاہے جوبھی ہو۔

لو استأجر أحد أجيرًا على أن يعمل يوما، يعمل من طلوع الشمس إلى العصر أو إلى الغروب على وفق عرف البلدة فى خصوص العمل (مادة ٤٩٥) (شرح المجله على حيدر: ٤٨٢)

ويتبع عرف البلدة فيما لو لم يعين العاقدان وقت ابتداء العمل و انتهائه أما إذا اتفق العاقدان على العمل فى اليوم الفلانى من الظهر إلى العصر لزم العمل بموجب ذلك ولا يتبع فى ذلك عرف البلدة وعادتها. (شرح المجله على حيدر: ٤٨٣)

دورانِ مدتِ اجارہ شئ مستأ جرہ کی بیع

(۱) مالک شئ مستأ جرہ کووقتِ اجارہ میں ہی کسی کوفروخت کردے تونفس بیع درست ہے،یعنی بائع ومشتری کے درمیان نافذ اورمستأ جر کے حق میں غیر نافذ ہوگی، چنانچہ بائع یا مشتری یہ چیز مستأ جر سے نہیں لے سکتے تا آں کہ مدت اجارہ پوری ہوجائے۔

(۲)مستأ جرکو اس بیع وشراء کے روکنے اوراس پراعتراض کا حق نہیں، کیوں کہ اس کوانتفاع سے نہیں روکا گیا، پس اگرمشتری مدت اجارہ ہی میں بیع پر قبضہ چاہے تو پھراس بیع کوروکنے کااورقاضی کے ذریعہ فسخ کروانے کااختیار رہوگا۔

(۳) مستأجر اس بیع کو جائز قرار دے تو یہ بیع سب کے حق میں نافذ ہوگی۔ اور مستأجر کی رضامندی کی وجہ سے اجارہ فسخ ہو جائے گا، پس اگر اجرت ابھی تک ادا نہیں کی تو منافع کے بقدر ادا کر دے اور زائد ادا کر چکا ہے تو بقیہ مدت کے بقدر واپس طلب کرے اور مستأجر کو حق ہوگا کہ اجرت واپس نہ ملنے تک چیز کو اپنے روکے رکھے۔

(۴) اگر مستأجر نے بیع کے بعد از خود وہ چیز حوالے کر دی تو یہ حقِ حبس بھی ساقط ہو جائے گا۔

لو باع الآجر المأجور بدون إذن المستأجر يكون البيع نافذا بين البائع والمشترى وإن لم يكن نافذا فى حق المستأجر حتى أنه بعد انقضاء مدة الإجارة يلزم البيع فى حق المشترى وليس له الامتناع عن الاشتراء إلا أن يطلب المشترى تسليم المبيع من البائع قبل انقضاء مدة الإجارة ويفسخ القاضى البيع لعدم امكان تسليمه وان أجاز المستأجر البيع يكون نافذا فى حق كل منهم ولكن لايؤخذ المأجور من يده ما لم يصل إليه مقدار مالم يستوفيه من بدل الإجارة الذى كان أعطاه نقدًا ولو سلم المستأجر الماجور قبل استيفائه ذلك سقط حق حبسه۔ (رقم المادة : ٥٩٠) شرح المجلة، على حيدر:٥٧٦)

اجیر مشترک کے احکام

اجیر مشترک کا قبضہ، شئ مستاجرہ کی ہلاکت اور ضمان کا حکم

امام ابوحنیفہ اور امام زفر و حسن بن زیادؒ کے قول کے مطابق اجیر مشترک کا

قبضہ امانت کا قبضہ ہوتا ہے، جو اصلاً احناف کا قول ہے، اور صاحبین ؒ کے قول کے مطابق یہ قبضہ موجب ضمان ہے۔

وحكم الأجير المشترك أن ما هلك في يده من غير صنعه فلا ضمان عليه في قول أبي حنيفةؒ وهوقول زفر والحسن و أنه قياس سواء هلك بأجر يمكن التحرز عنه كالسرقة والغضب أو بأمر لا يمكن التحرز عنه كالحرق الغالب والغارة الغالبة والمكابرة وقال أبويوسف و محمدؒ إن هلك بأمر يمكن التحرز عنه فهوضامن و إن هلك بأمر لا يكمن التحرز عنه فلان ضمان۔(هنديه: ٤/ ٦٩٤)

نیز اجیر مشترک اپنے عمل سے فارغ ہو جائے اور وہ چیز ہلاک ہو جائے تو بقول امام ابوحنیفہ وزفر اور حسنؒ وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا اور نہ ہی اس پر ضمان عائد ہوگا، لیکن صاحبینؒ کے یہاں اگر ہلاکت اس طرح کی ہے کہ اس سے بچنا اس کے بس میں تھا تو موجب ضمان ہوگا، ورنہ نہیں۔

واذا هلك الثوب عند القصار بعد الفراغ من العمل فلا أجرله ولا ضمان عليه في قول أبي حنيفةؒ وهوضامن إلا إذا تلف بأمر لا يمكن الاحتراز عنه كالحرق الغالب و كذلك الخلاف في كل أجير مشترك كالأجير المشترك في حفظ الثياب وغيره . (مبسوط ١٥/١٠٣)

اصلاً احناف کے یہاں تو امام ابوحنیفہؒ کا قول ہی معتبر ہے، لیکن تغیر احوال، نفسانی خواہشات کی پیروی اور لوگوں کے اموال کے حفاظت میں بڑھتی ہوئی بے

توجہی کے پیش نظر صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔اور حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کا عمل بھی اس باب میں مذکورہ علت کی بناء پر ضمان واجب کرنے کا تھا۔

نقل البغدادی عن بعض كتب الحنفية وبقول الصاحبين يفتى اليوم لتغير أحوال الناس وبه يحصل صيانة أموالهم(الفقه الاسلامی وأدلته: ٤/ ٩٦٤)

وقال بعضهم: قول أبی حنیفةؒ قول عطاء وطاؤس وهما من كبار التابعين وقولهما قول عمر و علی وبه يفتىٰ احتشاما لعمر و علی وصيانة لأموال الناس، والله أعلم۔

وفی التبيين: وبقولهما يفتىٰ لتغير أحوال الناس وبه يحصل صيانة أموالهم لأنهإذا علم أنه لايضمن ربما يدعی أنه سرق أو ضاع من يده۔(شامی: ۱۱۹/۹)

وجوب ضمان کے شرائط :

اجیر مشترک پر ضمان اس وقت واجب ہوگا جبکہ ۳ تین شرطیں پائی جائیں۔

(۱) جس آفت میں چیز ہلاک ہوئی ہے، اس آفت سے بچنا اس کے قدرت واختیار میں ہو؛ مثلاً عمومی بلاء یا سخت وتیز آندھی یا اچانک کی موج کے بہاؤ میں چیز ہلاک ہوگئی ہو اور چیز کو ہلاکت سے بچانا اس کے اختیار میں نہ ہو تو اس پر ضمان واجب نہ ہوگا۔

أن يكون فی قدرته رفع ذلك فلو بموج أو ريح أو صدمة جبل لايضمن (شامی:۹۲/۹)

(۲) محل عمل بذریعہ تخلیہ اجیر کے حوالہ کر دیا گیا ہو۔ جیسے کہ کشتی والے کو

دوسری جانب پہنچانے کے لیے تخلیہ کے ساتھ سامان حوالے کر دیا جائے۔

پس اگر آجر یا اس کا وکیل کشتی یا ایسی سواری میں ہے کہ جس میں ہلاکت اور سلامتی دونوں کا امکان ہے تو اس صورت میں یہ چیز تخلیہ کے ساتھ اجیر کے حوالے نہیں کی گئی ہے، لہٰذا اگر ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان واجب نہ ہوگا۔

أن يكون محل العمل مسلمًا اليه بالتخلية فلو رب المتاع أو وكيله فى السفينة لا يضمن.

(۳) مضمون چیز ایسی ہو جو عقد کے ذریعہ بھی ضمان میں داخل ہو سکتی ہو، جیسے کہ مختلف اموال۔

پس انسانی جان کی ہلاکت ایسی چیز نہیں کہ اس پر عقد کر کے اس کو ضمان میں لیا جائے یا دیا جائے۔اس لیے اجارہ میں اس کا ضمان واجب نہ ہوگا، دیت کی شکل میں جو ضمان واجب ہوتا ہے وہ جنایت کی وجہ سے ہوتا ہے، یہ ضمان عقد کی وجہ سے نہیں واجب ہوتا، اسی لیے قاتل پر واجب نہیں ہوتا، بلکہ عاقلہ پر واجب ہوتا ہے۔

وأن يكون المضمون ممايجوز أن يضمن بالعقد فلا يضمن الآدمى.... و لايضمن به بنى آدم مطلقا ممن غرق فى السفينة أو سقط عن الدابة وإن كان بسوقه أو قوده لأن الآدمى لايضمن بالعقد بالجناية و لاجناية لإذنه فيه. (درمع الشامى: ۹۳/۹)

سقوط اجرت کی تفصیل

اجیر کے ہاتھوں چیز کے ہلاک ہو جانے سے متعلق ایک مسئلہ تو اس چیز کے

ضمان کے وجوب وعدم وضمان کا تھا، دوسرا مسئلہ اجیر کی اجرت کا ہے، یعنی چیز ہلاک ہو جانے کے باوجود اجیر کو اس کے عمل کی اجرت ملے گی یا نہیں؟ اور کون سی صورتوں میں اجرت واجب ہوگی اور کون سی صورتوں میں ساقط ہوگی؟

یہ طے شدہ امر ہے کہ اصلاً عمل ختم ہونے سے پہلے اجرت واجب نہیں ہوتی، عمل پورا کرنے کے بعد چیز مالک کے حوالے کی جائے اس سے پہلے وہ چیز ہی ہلاک ہوگئی تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(ا) اگر اجیر یعنی عامل ومزدور مستأجر کی زیر نگرانی تابع ہو کر کام کرتا ہے، جیسے کہ اجیر خاص کام کرتا ہے، اور اجیر نے اپنا کام پورا کرلیا اس کے بعد چیز اس کے ہاتھوں ہلاک ہوگئی تو اس صورت میں اجیر یعنی عامل کی اجرت ساقط نہ ہوگی کیوں کہ اجیر اور وہ چیز سب کچھ مستأجر اور مالک کے قبضہ میں ہے، لہٰذا یوں سمجھا جائے گا کہ وہ چیز مالک کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی ہے اور اجیر اپنا عمل مالک کے حوالے کر چکا ہے، اس لیے اجرت کا حقدار ہوگا۔

اور اگر اجیر و عامل؛ مستاجر کے تابع ہو کر کام نہیں کرتا تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) جس چیز میں اجیر نے عمل کیا ہے، اس میں اجیر کی کارکردگی کا اثر ہوا ہو، جیسا کہ کپڑے سلنے میں اجیر کی کارکردگی کا اثر ظاہر ہوتا ہے، اس شکل میں چیز سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہوگئی تو اجرت واجب نہ ہوگی کیوں کہ اس کی کارگردگی پر عقد ہوا تھا اور وہ ہی آجر کے حوالہ نہ ہو سکی۔

(ب) اجیر کے عمل کا کوئی بھی اثر چیز میں ظاہر نہ ہوا ہو جیسا کہ حمال،

ملاح، ڈرائیور؛ تو اس صورت میں اجرت کا وجوب کام کے ختم کرنے پر ہوگا، چاہے چیز مالک کے حوالہ نہ کی ہو، اس لیے کہ یہاں بدل نفس عمل کے مقابل ہے لہٰذا جب کام پورا ہوگیا تو اجارہ ختم ہوگیا اور وہ عمل سے فارغ ہوگیا اور چیز اس کے مالک کے حوالہ سمجھی جائے گی اب ہلاکت کی وجہ سے ضمان واجب نہ ہوگا۔

قال الشافعية : إذا عمل الأجير فى ملك المستأجر أو بحضرته وجبت له الاجرة لأنه تحت يده فكلما عمل شيئاً صار مسلما له وإن كان العمل فى يد الأجير لم يستحق الأجرة بهلاك الشئ فى يده لأنه لم يسلم العمل---- وقال الحنفية بنحوه أيضا ولكن يحتاج مذهبهم إلى شئ من التفصيل فقالوا: إن العين التى يعمل فيها الأجيرإما أن تكون فى يد الأجير أو فى المستأجر فإن كان العين فى يد الأجير ففيه حالتان :

(١) إن كان لعمل أثر ظاهر فى العين كالخياطة والصباغة والقصارة فيجب الأجر بتسليم الأثر المطلوب فإن هلك الشئ قبل التسليم فى يد الأجير سقط الأجر لأن الأثر المعقود عليه- و هو صيرورة القماش مثلا مخيطا- لم يسلم والبدل يقابل ذلك الأثر فكان كالبيع .

(٢) وان لم يكن لعمل الأجير أثر ظاهر فى العين كالحمال و الملاح فيجب الأجر بمجرد انتهاء العمل وان لم يسلم العين لصاحبها لأن البدل يقابل نفس العمل فاذا انتهت مدة الإجارة فقد

فرغ من العمل وصار مسلمًا للعين التى هى ملك صاحبها فلا يسقط الأجر بالهلاك بعدئذ۔(الفقه الاسلامى:٥٧٢/٤)

مستأجر کوحق حبس کب حاصل ہوتا ہے؟

مستأجر اپنی اجرت وصول کرنے کی غرض سے چیز کو اپنے پاس روک سکتا ہے یانہیں؟اس کی دوشکلیں ہیں :

(۱) وہ شکل جس میں شئ مستأجرہ پراجیر کی کارکردگی کا اثر ظاہر ہوا ہو تو اس کا عوض اوراجرت وصول کرنے کی غرض سے مستأجر کوحقِ حبس حاصل ہوگا؛ جیسا کہ درزی اپنی اجرت وصول کرنے کی غرض سے چیز کوروکے رکھ سکتا ہے۔

(۲) جس میں مستأجر کی کارکردگی کا اثر ظاہر نہ ہوا ہو،اس میں اجیر استیفاء اجرت کی غرض سے حبسِ شئ کا مجاز نہ ہوگا؛ جیسے کہ حمال کی کارکردگی چیز میں ظاہر نہیں ہوتی ، لہٰذا اسے حقِ حبس حاصل نہیں ؛لیکن اگر اسنے روکے رکھا اور وہ چیز ہلاک ہوگئی تو چونکہ اس نے بلاحق روکا تھا لہٰذا غاصب شمار ہوکر یہ ہلاکت کا ضامن ہوگا۔

وبناء على اختلاف الحكم فى الحالتين السابقتين قال الحنفية : إن كان للعمل أثر فى العين المملوكة لصاحبها يجعل للأجير حق حبس العين حتى يستوفى الأجر، لأن البدل مستحق بمقابلة الأثر المطلوب ومالا أثر له لايثبت فيه حق الحبس إذ العمل المعقود عليه ليس فى العين ولهذا قال الحنفية : إن الحمال إذا حبس المتاع الذى هو فى يده ليستوفى الأجر فهلك يضمن لأن العين أمانة فى يده فاذا

حبس صار غاصبًا فیضمن۔ (الفقه الاسلامی: ٤/٥٧٢)

ناقص عمل پر اجرت سے متعلق احکام:

استحقاقِ اجرت کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ اجیر اتمام عمل کے بعد 'معمول' یعنی منافع وغیرہ مستأجر کو سپرد کردے، تب وہ اجرت کا حقدار ہوگا۔

أن الإجـارـة عقد معاوضة، ، تقتضى المساواة بين العوضين فما لم يسلم المعقود عليه للمستأجر وهو العمل لا يسلم للأجير العوض و هو الأجر۔ (مجمع الأنهر ، الإجارة: ٣/ ٥٤٤)

البتہ ناقص عمل کرنے پر اجیر اجرت کا حقدار ہوگا یا نہیں؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

اگر اجیر مواجر کی ملک یا ماتحتی ونگرانی میں آ کر کام کرتا ہے تو جس قدر وہ کام کرتا ہے وہ 'معمول' مواجر کے قبضہ میں ہونے کی وجہ سے 'مسلم الی المواجر' ہی ہے، پس وہ بعضِ عمل کی اجرت کا بھی حقدار ہوگا، ہاں مواجر کو یہ حق ہوگا کہ عقد کے مطابق کام پورا کرنے کے لیے اجیر کو مجبور کرے، البتہ اجیر نے جس قدر کام کیا ہے اس کی اجرت سے منع نہیں کرسکتا۔

جیسے کسی شخص نے معمار یا کاریگر کے ساتھ اپنی زمین میں عمارت بنانے، کنواں کھودنے، نہر کھودنے یا سائبان وغیرہ بنانے کا عقد کیا، تو یہ معمار یا کاریگر اپنے عمل کے بقدر اجرت کا حقدار ہوگا اور وہ درمیان میں اپنے عمل کی اجرت کا مطالبہ کرسکتا ہے، ہاں اس کو درمیان سے یہ معاملہ ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

پھر اگر تعمیر پوری ہونے سے پہلے یا کنویں کی کھدائی پوری ہونے سے پہلے

عمارت بدون تعدی منہدم ہوگئی یا کنویں کی زمین کھسک گئی تو جس قدر کام ہوا تھا اس کی اجرت کا حقدار ہوگا۔

أما إذا كانت العين المعمول فيها فى يد المستأجر بأن يعمل الأجير فى ملك المستأجر أو فيما فى يده من فناء ملكه و نحوه فيستحق من الأجر بقدر ما أنجزه من العمل و يصير المعمول مسلّما إلى صاحبه و يملك المطالبة بقدره من المدة فلو استاجر شخص رجلا ليبنى له بناء فى داره أو فيما فى يده كأن يستأجره لبناء حجرة فى داره او لبناء سقيفة او إيوان أو لحفر بئر أوقناة أو نهر فى ملكه أو فيما فى يده فعمل بعضه فله أن يطالب بقدر العمل من الأجرة و لكن يجبر على اتمام العمل حتى أنه لو انهدم البناء أو انهارت البئر أو سقط الايوان فإن كان بعد الفراغ من العمل لم يسقط شئ من الأجرة و إن كان قبل الفراغ من العمل يجب بقدر حصته العمل .(الفقه الاسلامى: ٤/ ٥٧٢)

البتہ اس میں ایک شرط ہے کہ مستأجر کی ملک یا نگرانی میں ہوئے بعض عمل کو 'مسلّم الی المواجر' سمجھ کر بقدر عمل اجرت کا استحقاق اسی صورت میں ہوگا جب کہ یہ بعض عمل کسی حیثیت سے قابل انتفاع ہو، پس اگر وہ بعض عمل مستأجر کے لیے غیر منتفع بہ ہوگا تو اس صورت میں بھی اجرت کا حقدار نہ ہوگا؛ ہاں اگر عدمِ انتفاع کسی عارض کی وجہ سے ہو، جیسے کہ انہدام بناء اور انہیار بئر کا اوپر ذکر آیا تو یہ عارض استحقاقِ اجرت میں مانع نہ ہوگا۔

جیسے کسی نے درزی کو اپنے گھر کپڑے سینے کے لیے بلایا تو یہ درزی مستأجر کی ملک میں کام کرتا ہے، اس کے باوجود ناقص سلائی کی اجرت کا حقدار نہ ہوگا کیوں کہ ایسا ناقص کام مستاجر کے لیے کسی اعتبار سے قابل انتفاع نہیں۔

إذا استأجر انسان خياطا ليخيط له فى منزله قميصًا : فإن خاط بعضه لم يكن له أجر؛ لأن هذا العمل لا ينتفع ببعضه، فاذا فرغ منه ، ثم تلف، فله الأجر.........إذا استأجر شخص انسانا ليضرب له لبنا فى ملكه أو فيما فى يده لا يستحق اللبان الأجرة، ولا يصير المستأجر قابضا حتى يجف اللبن وينصبه.........لأن ذلك من تمام هذا العمل . (الفقه الاسلامى وأدلته : ٥٧٣/٤)

بندے کے خیال میں یہ مثال قدیم زمانے کے اعتبار سے ہوگی، فی زمانناکپڑے کی کٹنگ اور سلائی دو مستقل فن اور کام سمجھے جاتے ہیں، چنانچہ کپڑوں کی کٹنگ والے فقط کپڑے کاٹتے ہیں اور دوسرے حضرات کٹے ہوئے کپڑے لا کر فقط سلائی کا کام کرتے ہیں، اس اعتبار سے فی زماننا کپڑے کاٹنے کے ناقص عمل کی اجرت اس کو ملے گی۔

امداد الفتاوی میں پزاوہ کے ناقص عمل کو چھوڑ کر چلے جانے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں:

جواب: جتنا کام اجیر ہونے کی حیثیت سے اس کے ذمے تھا پچاس روپے اس مجموعی کام کی اجرت تھی، جب عمل پورا نہیں ہوا، اجرت پوری واجب نہ ہوگی۔ مگر اس نے جتنا کام کیا ہے اس کی کوئی خاص اجرت نہ ٹھہری تھی کہ اگر دبائی کم

ہوگی تو اتنی اجرت دیں گے اور ایسی صورت میں شرعاً اجرِ مثل واجب ہوتا ہے۔ پس دو متدین تجربہ کاروں سے پوچھنا چاہئے کہ اگر مقرر کیئے ہوئے کام میں اتنی کمی رہ جاوے تو کتنی اجرت کم ہوجانا چاہئے، اگر وہ چھ روپے یا زیادہ بتلادیں تو پھر اس بقیہ کا ضبط کرلینا جائز ہے اور یہ رقم اس کمی کے لیے کافی نہ ہو تو اسباب کا محبوس کرلینا جائز ہے، جب تک کہ اس سے وہ رقم وصول نہ ہو اس کا مالک ہوجانا اصل مذہب میں درست نہیں۔

ولا یستحق الأجیر المشترك الأجر حتی یعمل کالصباغ والقصار ونحوهما؛ لأن الإجارة عقد معاوضة، ، تقتضی المساواة بین العوضین فما لم یسلم المعقود علیه للمستأجر وهو العمل لا یسلم للأجیر العوض وهو الأجر۔ (مجمع الأنهر، الإجارة: ۳/ ٥٤٤)

وتفسد (الإجارة) بجهالة المسمی و بعدم التسمیة، فإن فسدت بالأخیرین بجهالة المسمی وعدم التسمیة وجب أجر المثل یعنی الوسط منه الخ. (الدر المختار مع الشامی: ۹/ ٦٦) **(امداد الفتاوی: ۷/ ۲۹۷۔۲۹۸)**

وإنما سمی أجیر وحد لأنه لایمکنه أن یعمل لغیره لأن منافعه فی المدة صارت مستحقة له والأجر مقابل بالمنافع ولهذا یبقی مستحقاوإن نقص العمل ۔ (هدایه: ۳/ ۳۱۲)

اور اگر اجیر مستأجر کی نگرانی یا ملک میں کام نہیں کررہا تھا تو ظاہر ہے کہ اجیر کا

عمل تکمیل کے بعد ہی مستأ جر کے حوالے ہوگا،اس لیے عمل مکمل ہونے اور مستأ جر کو حوالے کرنے سے پہلے اجرت کا حقدار نہ ہوگا۔

پس اگر عمل پورا ہونے سے پہلے یا پورا ہونے کے بعد مستأ جر کو حوالے کرنے سے پہلے وہ چیز ہلاک ہوگئی یا عمل ضائع ہوگیا تو اجیر اجرت کا حقدار نہ ہوگا۔

إذا كـان الـعـمل فی غير ملك المستأجر أو فی يده، فإن الأجرة حيـنئذ يتوقف وجوبها على تمام العمل، فما لم يسلم الأجير العمل لا يصير المستأجر قابضاً للمعقود عليه، ويسقط الأجر إذا فسد المعقود عليه أو هلك قبل التسليم. (الفقه الاسلامی وأدلته : ٥٧٢/٤)

مستأ جر کا غیر سے اجارہ کا معاملہ کرنا۔

احناف کے یہاں اصولی طور پر ہر وہ چیز جس میں لوگوں کا طریقۂ استعمال یکساں ہوتو مستأ جر کے لیے غیر سے اجارہ کی گنجائش ہے۔

الأصـل عندنا أن المستأجر يملك الإجارة فيما لايتفاوت الناس فی الانتفاع۔(هنديه:٥٨٤/٤)

نیز عقد اجارہ منقول شئ سے متعلق ہے تو قبل القبض غیر سے اجارہ کا معاملہ کرنا درست نہیں اور غیر منقول شئ ہے تو امام حنیفہؒ وابو یوسفؒ کے یہاں تو قبل القبض اجارہ کی گنجائش ہے اور امام محمدؒ کے یہاں یہ اجارہ کا معاملہ درست نہ ہوگا۔ اور ایک قول کے مطابق بالاتفاق ناجائز ہے۔

ومن استأجر شيئًا فإن كان منقولًا فإنه لايجوزله أن يواجره قبل القبض وإن كان غير منقول فأراد أن يواجره قبل القبض فعند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى يجوز وعند محمدؒ لايجوز كما في البيع وقيل إنه في الإجارة لايجوز بالاتفاق۔(هنديه: ٤/ ٥٨٤)

مستأجر کا غیر سے اجرتِ اول سے زیادہ پر اجارہ کا معاملہ کرنا

مستأجر غیر سے اجرتِ اول سے زیادہ اجرت پر اجارہ کا معاملہ کرنا چاہے تو دوشرطوں کالحاظ ضروری ہے، یعنی دوشرطیں پائی جانے کی صورت میں ہی وہ زیادتی اس کے لیے حلال ہوگی۔

(۱) مستأجر غیر سے خلاف جنس کرایہ وصول کرے، مثلاً خود پیسوں میں معاملہ کیا ہے تو دوسرا معاملہ غیر جنس میں کرے۔

(۲) مستأجر اسی شیٔ میں تغیر وتصرف اور ایسا اصلاح ومرمت کا کام کردے جس کا خارج میں وجود ہو، جیسے فرنیچر بنادے۔ اگر جھاڑوں وغیرہ لگوائی تو یہ تغیر نہیں سمجھا جائے گا۔

مستأجر شیٔ مستأجرہ کے ساتھ اپنی کوئی چیز بھی اجارہ پر دے۔ دراصل یہ بھی ایک طرح کا تغیر وتصرف ہی ہے۔

فان آجر بأكثر مما استأجر به من جنس ذلك ولم يزد في الدار شيئاً ولا آجر معه شيئًا من مال آخر من ماله مما يجوز عقد الإجارة عليه لا يطيب له الزيادة وفي شرح الطحاوي ويتصدق به أما اذا زاد

فـى الـدار شيئـا بـأن جـصصها أو طينها أو ما اشبه ذلك و كذلك إذا آجره بجنس آخر يطيب له الزيادة. (تاتارخانيه:٥ /٥٠)

ولكن ذكر الحنفية أن الزيادة تطيب فى حالتين :

الأولـى : أن تـكـون الأجرة التى يتقاضاها المستأجر الأول بغير جنس الأجرة التى يدفعها الى المالك.

والثـانية : أن يـحـدث فـى الـعيـن الـمؤجرة زيادة. (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة : ٢ /١٤٦)

واذا استـأجر دارا وقبضها ثم آجر ها فإنه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها أو أقل وإن آجرها بأكثر مما استأجر فهى جائزة أيضا إلا أنـه إن كـانـت الأجـرـة الثـانية مـن جـنس الأجرة الأولى فإن الزيادة لاتـطيـب لـه ويتـصدق بها. وإن كانت من خلاف جنسها طابت له الـزيـادـة ولـو زاد فى الدار زيادة كما لو وتد فيها وتدا أوحفر فيها بئرا أوطينـا أو أصلـح أبوابها أو شيئًا من حوائطها طابت له الزيادة. وأما الكنس فإنه لايكون زيادة. (هنديه : ٤/ ٥٨٤)

اجارۃ العمل میں اجیر کا دوسرے سے کام کروانا

(ا) اجیر مستأ جر کو کام سپرد کرتے وقت مطلقاً کام کا ذکر کریں تو مستأ جر کے لیے غیر سے اس کام کو کرانے کی گنجائش ہے، کیوں کہ مقصود کام ہے، جس طرح آدمی خود کام کرسکتا ہے اسی طرح دوسرے سے بھی کرا سکتا ہے۔

وإن أطلق له العمل فله أن يستأجر من يعمله لأن المستحق عمل

فـی ذمتـه ويـمـكـن إيـفـاء ه بـنـفسـه و بـالاستعانة بغيره بمنزلة ايفاء الدين۔(هدايه :۳/ ۲۹۹)

(۲) صلبِ عقد میں مستأجر کے خود کے عمل کرنے کی قید ہو تو اس صورت میں غیر کے حوالہ کام سپرد کرنے کی گنجائش نہ ہوگی، گویا کہ یہاں اجیر مستاجر ہی کی خاص منفعت وصول کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ کوئی خاص منفعت پر اجارہ کا معاملہ ہوا ہو؛ مثلاً مخصوص گاڑی جس کی منفعت غیر سے ممتاز ہو اس پر اجارہ کا معاملہ ہوا ہو تو سپردگی کے وقت کوئی دوسری گاڑی حوالہ کرے تو درست نہ ہوگا، کیوں کہ مخصوص منفعت مقصود ہے، جو غیر میں نہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی مستأجر غیر سے کام کرانے کا مجاز نہ ہوگا؛ لیکن اگر کوئی ایسا مزدور ہے جس کی کارکردگی اس مستأجر سے بھی بہتر ہو تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

وإذا شـرط عـمـلـه بـنـفسـه بـأن يقول له اعمل بنفسك ...... لايستعـمل غيره وفى الشامية، ولو غلامه أوأجيره ......لأن المعقود عـليـه الـعـمـل مـن مـحـل مـعيـن فـلا يقوم غيره مقامه كما إذا كان الـمـعـقـو دعـليه المنفعة بأن استأجر رجلا شهرا للخدمة لايقوم غيره مـقـامـه لأنـه استيـفـاء لـلـمـنفعة بلا عقد___ لأنه إن خالفه إلى خير بـأنـاستـعـمـل مـن هو أصنع منه أو سلم دابة أقوى من ذلك ينبغى أن يجوز (شامى: ۹/ ۲٤)

مشترک شئ پر شریک کا غیر سے اجارہ کرنا

مشترک شئ کے اجارہ کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں، بعض میں اجنبی سے اور

بعض میں شریک ہی سے اجارہ کیا جاتا ہے، یہاں اس کی ممکنہ صورتیں اور اس کے احکام ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱) کسی مشترک چیز کے شرکاء آپس میں ایک دوسرے کو اپنا حصہ اجارہ پر دے سکتے ہیں۔

(۲) اسی طرح سب شرکاء ایک ساتھ ایک عقد کر کے کسی اجنبی کو پوری مشترک چیز اجارہ پر دے سکتے ہیں۔

(۳) اسی طرح مشترک چیز کے شرکاء نے چیز سے انتفاع کی باری مقرر کر لی ہو تو کوئی ایک شریک اپنی باری کے مطابق وہ چیز کسی دوسرے کو اجارہ پر دے سکتا ہے، چاہے وہ شریک ہو یا اجنبی۔

(۴) البتہ باری متعین نہ ہو ایسی صورت میں کسی ایک شریک کی طرف سے اپنے حصہ کے بقدر کسی اجنبی سے اجارہ کرنا درست نہیں، کیوں کہ شیوع کی وجہ سے منافع مقدور التسلیم نہیں۔

(۵) اسی طرح پوری شئ کا عقد اجارہ اس طور پر ہو کہ مستأجر نے اولاً ایک شریک سے کل کا اجارہ کیا اور پھر دوسرے شریک سے کل کا اجارہ کیا تو درست نہ ہوگا۔

(۶) اسی طرح اگر شرکاء کی باری متعین نہیں اور ہر شریک اپنا حصہ اجارہ پر دیتا ہے تو درست نہ ہوگا، کیوں کہ شیوع کی وجہ سے منافع مقدور التسلیم نہیں یعنی شیوع مانع ہے۔

(۷) ہاں سب شرکاء سے الگ الگ ان کی طے شدہ باری کے مطابق اجارہ

کرے تو یہ درست ہوگا۔

للما لك أن يوجر حصته الشائعة من الدار المشتركة لشريكه إن كانت قابلة للقسمة أو لم تكن وليس له أن يوجرها لغيره ولكن بعد المهاياة له أن يوجر نوبته للغير ۔(رقم المادة :٤٣٩)------ وسبب الفساد أن الإجارة قد شرعت للانتفاع بعين المأجور فلما كانت الحصة الشائعة لايمكن تسليمها مفردة لم يكن استيفاء المنفعة مقدورا .(شرح المجله: ٣٩٦)

يسوغ للشريكين أن يواجر مالهما المشرك معًا.(رقم المادة : ٤٣١)

موجر کا عقد اجارہ کے بعد اپنی اجرت میں تصرف

(ا) موجر، عقد اجارہ کے بعد مستأجر کے منفعت حاصل کرنے سے قبل جبکہ عقد میں اجرت پیشگی ادا کرنے کی شرط نہ لگائی ہو اور مستأجر کو اجرت سے بری کر دے یا ہبہ کر دے یا صدقہ کر دے- چاہے اجرت عین ہو یا دین- بہر صورت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ درست نہیں اور اجارہ علی حالہ باقی رہے گا، فسخ نہ ہوگا۔

امام محمدؒ کے یہاں اجرت اگر دین کی شکل میں ہو تو یہ جائز ہے، خواہ مستأجر قبول کرے یا نہ کرے اور اگر اجرت عین کی شکل میں ہو اور ابھی تک تقابض نہیں ہوا ہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ مواجر نے ہبہ کر دیا اور مستأجر نے قبول بھی کر لیا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا، لیکن اگر مستأجر قبول نہ کرے تو اجارہ علی حالہ باقی رہے گا۔

إذا أبرأ الموجر المستأجر من الأجرة أو وهبها منه أو تصدق بها

عـليـه و كـان ذلك قبل استيفاء المنفعة ولـم يشترط تعجيل الأجرة فى العـقـد لم يجز فى قول أبى يوسفؒ عينا كانت الأجرة دينا والإجارة على حالها لا تنفسخ

وقـال محمدؒ إن كانت الأجرة دينا جاز ذلك قبل المستأجر أو لـم يـقبل ولا تنتقض الإجارة وإن كانت عينًا فوهبها وكان ذلك قبل أن يتـقـابـضـا فإن كان قبل الهبة تبطل الإجارة وإن رد الهبة لم تبطل وعـادت الإجـارة عـلـى حـالهـا۔ (هنديه : ٤/ ٥٧١) (كذا فى التاتارخانية : ١٥/ ٣١)

(۲) موجر نے مستأجر کو اجرت سے بری کر دیا یا ہبہ کر دیا اگر یہ اجرت دین تھی اور تعجیل کی شرط بھی تھی تو بالاجماع درست ہو جائے گا۔ نیز تعجیل کی شرط کے ساتھ مدت بھی گذر جائے تو بالاتفاق بری کرنا صحیح ہو جائے گا۔

سابقہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ منفعت وصول کرنے سے پہلے بری کرنا پایا جائے؛ لیکن منفعت وصول کرنے کے بعد بری کرنا پایا جائے تو یہ تمام تصرفات درست ہو جائیں گے۔

ولـوأبـرأه عـن الأجر : أو وهبه منه فإن كان دينًا وشرط التعجيل صـح بـالاجـمـاع ــ ولو شرط التعجيل أو مضت المدة تجوز البراءة بالاتفاق۔(تاتارخانيه:١٥/ ٣١)

فـإن كـانـت هـذه التـصـرفات من المؤجر بعد استيفاء المنفعة جازت بلاخلاف.(هنديه : ٤/ ٥٧١)

اجارہ کی جدید صورتیں

تمام عقود ومعاملات کبھی مالک خود سرانجام دیتا ہے، کبھی غیر کے توسط سے عقود کی تکمیل ہوتی ہے، یہ غیر کبھی دلال ہوتا ہے یا وکیل یا کفیل ہوتا ہے۔ جو دونوں فریق کے درمیان واسطہ بنتا ہے۔

اولاً یہاں دلال اوراس کی اجرت کے مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

دلال اوراس کی اجرت کے مسائل

دلال اور سمسار کا معنی

لغوی معنی: عرف میں دلال اورسمسار دونوں لفظ متعارف ومشہور ہے۔

سمسار سمسرۃ سے ماخوذ ہے اور 'سمسرۃ' تجارت ہی کا دوسرا نام ہے۔ یہ عجمی لفظ ہے، چونکہ اہل عرب کا زیادہ تر تجارتی معاملہ عجمیوں سے ہوتا تھا اسی اختلاط کا اثر تھا کہ اہل عرب کے یہاں بھی تاجروں کوسمسار کہا جانے لگا۔ چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضرت قیس بن ابی غرزہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تاجروں کے پاس آئے، اس وقت ہمیں ''سماسرۃ'' کہا جاتا تھا، آپ نے ہم سے مخاطب ہوکر فرمایا: یامعشر التجار! صحابی فرماتے ہیں: آپ نے 'سماسرۃ' کو 'تجار' سے بدل دیا۔ اسی کوصحابہ رضی اللہ عنہم فسمانا باسم هو أحسن منه سے تعبیر کرتے تھے۔

السمسرة لغة : هی التجارة(موسوعة: ۱ / ۱۵۱)

قال الخطابی السمسار أعجمی و کان کثیر ممن یعالج البیع و الشراء فیهم عجما فتلقوا هذا الاسم عنهم فغیره رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إلی

التجارة التی هی من الأسماء العربية وذلك معنی قوله "فسمانا باسم هو أحسن منه" (تحفة الأحوذی : ٤/ ٤٤٨)

عن قيس بن أبی غرزة : قال خرج علينا رسول الله ﷺ ونحن نسمی السماسرة فقال : يا معشر التجار الخ . (ترمذی: ١ / ٢٢٩)

اصطلاحی معنی: وہ شخص جو بائع ومشتری کے درمیان واسطہ بن کر خرید و فروخت میں مدد کرے اسی کا دوسرا نام دلال ہے، اس لیے کہ یہ بائع اور مشتری کو مبیع کی خرید وفروخت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

والسمسرة اصطلاحا : هی التوسط بين البائع والمشتری و السمسار هو الذی يدخل بين البائع و المشتری متوسطا لإمضاء البيع و هو المسمی 'الدلال' لأنه يدل المشتری السلع ويدل البائع علی الأثمان. (موسوعة: ١٠/ ١٥٢)

دلال اور کمیشن ایجنٹ کا مطلب:

دلال کا لفظ دو معنی میں مستعمل ہے۔(۱) وہ دلال جس کے ساتھ اجارہ کا عقد نہیں ہوتا، البتہ کام کرنے پر وہ اجرت کا حقدار ہوتا ہے۔

(۲) وہ دلال جس کے ساتھ بائع یا مشتری کا عقد ہوتا ہے، اور عقد کے مطابق کام کرنے کا پابند بھی ہوتا ہے اور اجرت کا حقدار ہوتا ہے۔آج کل اس کو 'کمیشن ایجنٹ' بھی کہتے ہیں۔

کبھی یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔
کمیشن ایجنٹ کے مسائل آگے ذکر کیے جائیں گے۔ان شاءاللہ۔

اجرت دلال :

اگر دلال (BROKER) نے بائع اور مشتری کے درمیان سودا کرانے کی کوشش کی، نتیجتاً دونوں کے درمیان عقدِ بیع انجام کو پہنچا تو دلال طے شدہ اجرت کا حقدار ہوگا۔

اگر دلال کے عمل کی کوئی اجرت طے نہیں پائی تھی، اور دلال اپنی محنت کے مطابق کام کرلے اور عقد بھی مکمل ہوجائے تو یہ اجرت مثل کا حقدار ہوگا۔

قلت : والحاصل أن أجرة السمسرة ضربان : إجارة و جعالة ؛ فالأول يكون مدة معلومة يجتهد فيها للبيع و هذا جائز بلاخلاف-- والجعالة لايضرب فيها أجل و لايستحق فيها شيئاً إلا بتمام العمل وهى فاسدة عندنا لجهالة العمل والأجل معاً مرة و جهالة أحدهما أخرى. (اعلاء السنن : ١٦-٢٠٨)

مطلب : فى أجرة الدلال ، تتمة : قال فى التاترخانية : و فى الدلال يجب أجر المثل و ما تواضعوا عليه أن فى كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم و فى الحاوى : سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال : أرجو انه لابأس به، وان كان فى الأصل فاسدًا لكثرة التعامل و كثير من هذا غير جائز فجوزوه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام. (شامی: ۹/ ۸۷)

دلال اپنی دلالی ایک فریق سے یا دونوں فریق سے بھی وصول کرسکتا ہے۔

وأما الدلال فإن باع العين بنفسه باذن ربها فأجرته على البائع

وإن سعى بينهما وباع المالك بنفسه يعتبر العرف فتجب الدلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف. (شامی : ۷/ ۹۳)

حضرت اقدس مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ اسی مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہے کہ ''دونوں طرف سے دلالی جائز ہے جبکہ عرف ہو، اصالۃ دلالی کا معاملہ ناجائز ہے، مگر حاجت اور عرف کی بناء پر فقہاء نے اجازت دی ہے اور یہ اجازت اپنے عموم کی حیثیت سے یک طرفہ دوطرفہ سب کو شامل ہے۔ (محمود یہ ڈابھیل: ۱۶/ ۶۱۷)

ادارۃ الباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے گیارہویں فقہی اجتماع میں 'کمیشن اوراس کی مروجہ شکلوں' کے بارے میں جو تجویز پاس ہوئی وہ درج ذیل ہے:

(ج) زمین کی خرید وفروخت میں مروجہ کمیشن دونوں فریقوں سے بھی لینا جائز ہے، بشرطیکہ کمیشن لینے والا دونوں کے درمیان معاملہ طے کرانے اور کاغذات وغیرہ تیار کرانے پر کمیشن لے، جیسا کہ مروج ہے، اور اگر کسی ایک ہی فریق کا وکیل بن کے کام کرے گا تو صرف اسی سے اجرت لینے کا حق دار ہوگا۔ اور یہ پورا معاملہ جھوٹ اور فریب سے پاک وصاف ہونا چاہئے۔ انتہی۔

اسی مسئلہ کے متعلق وضاحت فرماتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہے کہ جب اس اجرت کا جواز ثابت ہوگیا اور اس کے شرائط میں سے تعیین اجر ہے اور تعیین کی یہ بھی ایک صورت ہے اس لیے جائز معلوم ہوتا ہے۔ پھر آگے فرماتے ہیں: اور یہ ہی ارفق بالناس ہے۔ (ملخص از امداد الفتاوی: ۳/ ۳۶۳، سوال نمبر: ۳۳۳)

نوٹ: موجودہ زمانے میں دلال عموماً فیصد کے اعتبار سے اپنی دلالی متعین کرتا ہے اس میں جہالت ہوتی ہے، کیوں کہ عاقدین کے درمیان طے ہونے والا ثمن اوراس کا نفع وغیرہ مجہول ہوتا ہے، اوراسی وجہ سے بعض حضرات نے اس کو ناجائز کہا ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے؛ بلکہ اس کے برعکس معین دلالی طے کرنا مفضی الی النزاع ہوسکتا ہے، اس طرح کہ اگر چیز کم دام میں فروخت ہوتو اس صورت میں مالک یہ چاہے گا کہ جتنی دلالی طے ہوئی تھی اس سے کم دے اور دلال چاہے گا کہ جتنی طے ہوئی تھی اتنی ہی وصول کرلے؛ لیکن اجرت اگر فیصد کے حساب سے طے کردی جاوے تو جتنی فیصد سے بنتی ہوگی (چاہے چیز کم قیمت پر فروخت ہو یا زیادہ قیمت پر) اس اعتبار سے طے ہونے والی دلالی پر فریقین راضی ہوں گے اور دینے والے پر کوئی بوجھ بھی نہیں بنے گا۔ (احقر)

کیا دلالی برا پیشہ ہے؟

حدیث ''بیع حاضر للبادی'' میں بیع حاضر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے 'سمسار' سے کی ہے، جس سے اس بات کا شائبہ ہوتا ہے کہ ''سمسار'' برا پیشہ ہے یا ممنوع ہے۔

الفاظ حدیث یہ ہے:

عن ابن عباس رضؓ قال: نهى رسول الله ﷺ أن نتلقى الركبان وأن يبيع حاضر لباد قال :فقلت لإبن عباس ما قوله حاضر لباد ؟ قال :

لا يكن له سمسارا۔ (مسلم : ٤/٢)

یہ ایک خاص صورت کی ممانعت ہے جس میں شہری دیہاتی کے لیے (جو اپنا سامان شہر میں بیچنے کے لئے آتا ہے) زائد قیمت پر شہر والوں سے بیع کرتا ہے، جمہور کے یہاں مطلقاً یہ صورت ممنوع ہے، احناف کے یہاں یہ حکم معلول بعلت ہے، وہ علت اہل بلد کو ضرر پہنچانا ہے۔ یعنی دیہاتی کا دلال بن کر یا وکیل بن کر شہر والوں کو گراں قیمت میں چیز فروخت کرتا ہو تو ممنوع ہے، بصورتِ دیگر ممنوع نہیں۔

اگر کوئی شہری بغیر اجرت کے یہ کام کرے تو کیا حکم ہے؟ اس بابت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ کتب احناف میں مجھے تلاش کے باوجود اس صورت کا حکم معلوم نہ ہو سکا۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کراہت سے خالی نہیں کیوں کہ اس میں بھی اہل بلد کو ضرر ہے، لیکن عموماً کوئی بغیر اجرت کے اس کام کو نہیں کرتا تو گویا کہ واقعی صورت اجرت کے ساتھ کام کرنے کی ہی ہے لہٰذا ابن عباسؓ کی یہ تفسیر غالب احوال کی صورت حال کے پیش نظر تھی کیوں کہ ان کا عمل یہ ہی بتلاتا ہے جیسا کہ

قال ابن عباسؓ : لا بأس أن يقول بع هذا الثوب فما زاد على كذا و كذا فهو لك، علقه البخارى. (اعلاء النسن: ١٦/ ٣٣٦)

"قوله لا يكن له سمسارا" أى دلالا و السمسار فى الأصل القيم بالأمر و الحافظ له ثم استعمل فى متولى البيع و الشراء ومعناه أن يبيع له بالأجرة، ـــــ فأما إذا كان بغير أجرة فلا يكره و الجمهور

علـى عـدم جـوازه مـطـلـقا ولم أجد فى كتب الحنفية ما يدل على تـفـصـيـل الـحـكـم بيـن ما كان بأجر أو بغير أجر فالظاهر أن الكراهة مـطـلـقة عـنـدنا أيضا وذلك لعموم لفظ الحديث ولأن علة الضرر لا تـفرق بين البيع بأجر أو بغير أجر وأما تفسير ابن عباسؓ هذا فمحمول على الغالب فإن الحاضر لا يتولى للبادى غالبًا إلا بأجر ـ والله اعلم

(تكمله فتح الملهم: ۱ / ۳۳٦)

والـعـلة۔۔۔فـانـه يـدل على أن النهى ليس لعينه وإنما هو لدفع الـضـرر عـن أهـل البـلـد فـاذا انتـفى هذا الضرر لم يبقى فى هذا البيع الـمحظور، بل صار ذلك من باب النصيحة وقد قال رسول الله ﷺ : "الدين النصيحة" . (تكمله فتح الملهم: ۱/ ۲۳۵)

مذکورہ عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ دلالی فی نفسہ برا پیشہ نہیں ہے، البتہ ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے پورے شہر کو یا عوام کو نقصان ہو، یا بازار میں گرانی ہونے لگے تو درست نہ ہوگا۔ پس اگر کوئی اس طرح دلالی کرتا ہے کہ اس سے نرخوں میں گرانی نہیں ہوتی یا کوئی شخص محض اپنے بھائی کی خیر خواہی کے لیے اس عمل کو کرتا ہے، دراں حالیکہ اہل بلد کو ضرر بھی نہیں ہوتا تو یہ عمل محمود ہوگا۔

ملاحظہ: حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اس موقع سے ایک بات تحریر فرمائی ہے کہ بیع الحاضر للبادی سے متعلق احادیث کی ممانعت سے اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ بائع اور مشتری براہ راست بلا کسی واسطہ اور توسط کے سودا کریں تو بہتر ہے، نیز مواقع کے لحاظ سے وسائط کی ضرورت ہو تو اس کی

بھی گنجائش ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب بائع اور مشتری کے درمیان وسائط زیادہ ہوجائیں گے تو بازار میں خریداروں کو اس وجہ سے بھی زیادتی ثمن برداشت کرنے کا سامنا رہے گا کہ تجار اپنی متعینہ منفعت میں اس لاگت وخرچہ کو بھی وصول کریں گے۔

لہٰذا آج کے ماہرین اقتصادیات جس شخص کو (Middle man) کہتے اوراس کے پیشہ کو سراہتے ہیں ؛اسلام ہرگز اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ؛ بلکہ تیسیر علی الناس کے پیش نظر نہ تو مطلقاً اس پیشہ کو سراہتا ہے اور نہ ہی اس سے منع کرتا ہے، ہاں اس بات کو ضرور پسند کرتا ہے کہ بائع ومشتری کے درمیان وسائط نہ ہو یا ہو تو بہت کم ہو۔

ثم إن أحاديث النهى عن بيع الحاضر للبادى تدل على أن الاسلام يستحسن أن لاتكون بين البائع و المشترى وسائط، أو تكون قليلة جدا فإنه لما كثرت الوسائط بين البائع والمشترى ازداد الثمن على المستهلكين فما يسميه علماء الاقتصاد اليوم ”الرجل المتوسط“ (Middle man) ممالايستحسنه الاسلام إلا إذا اشتدت الحاجة إليه فالسمسرة وإن كانت جائزة ولكن الاكثار من الوسائط بين الصانع والمستهلك مما لا يشجع عليه الاسلام وإنما يشجع على التقليل منها. (تكمله فتح الملهم: ۱/ ۲۳۷)

اسٹاک ایکسچینج کاروبار میں بروکر کی حیثیت

اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید وفروخت کے لیے واسطہ بننے والوں کو

'بروکر' (BROKER) کہتے ہیں جو دور حاضر میں شیرز کی خرید وفروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے، اور خرید وفروخت کی کاروائی کا اندراج کرتا ہے ،ایسے شخص کی حیثیت ایجنٹ اوراجیر مشترک کی ہے، دوسرے لفظوں میں بروکر ہی کو دلال کہا جاتا ہے۔اگر ایسے لوگ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے ایجنٹ اور بروکر کی حیثیت سے کام کریں تو یہ شرعاً جائز ہے اور ان کی اجرت شرعا حلال ہوگی۔(جدید فقہی مباحث:۱۲۶/۱۶)

موجودہ دور میں سب کام خودکار طریقہ سے آن لائن ہوتے ہیں، بروکر کمپنی اپنے سافٹ ویر کے ذریعہ ہر آن شیرز کی قیمت میں کمی زیادتی اسکرین پر دکھاتی ہے،اوراسی سافٹ ویر کے ذریعہ فوری طور پر سودا ہوجاتا ہے۔

شیرز کا سودا یا تو مالک خود کرتا ہے اوراس کے لیے بروکر کمپنی اپنی شرائط کے مطابق خواہش مند کو مستقل اکاونٹ بنا کر اس کے ذاتی کمپوٹر یا موبائیل سے خرید و فروخت کی سہولت فراہم کرتی ہے۔

یا شیرز کا مالک (شیر ہولڈر) بذریعہ فون بروکر کمپنی کے ملازم یا ایجنٹ سے رابطہ میں رہتا ہے اور خرید وفروخت کا حکم کرتا ہے۔

یا بروکر کے دفتر میں جا کر براہ راست ملازم کو خرید وفروخت کا حکم دیتا ہے۔

تمام صورتوں میں بروکر کمپنی فقط واسطہ بنتی ہے،خود عقد نہیں کرتی ہے، اس اعتبار سے بروکر کمپنی کی حیثیت اجیر مشترک یا کمیشن ایجنٹ کی ہوگی ،لہٰذا اس کے ذریعہ حلال و جائز کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیرز کی خرید وفروخت ہوتی ہے تو یہ اجرت درست ہوگی ، ورنہ تو درست نہ ہوگی۔

کمیشن ایجنٹ:

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ: موجودہ دور میں کمیشن ایجنٹ کا کاروبار کافی بڑھ گیا ہے، تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، لیکن مجموعی طور پر دونوعیت کے کاروبار کیے جاتے ہیں۔

(۱) کمیشن ایجنٹ دوسرے سے مال خرید کر گراہکوں کو فروخت کرتا ہے اور اس میں اس کی منفعت اس طرح ہوتی ہے کہ عموماً کمپنی سے چیز اسے کم قیمت پر مل جاتی ہے، حقیقتاً گراہک بھی کمپنی کا رخ کرتا تو اسے اتنی ہی قیمت میں مال ملتا، جتنے میں وہ کمیشن ایجنٹ سے خریدتا ہے۔ دراصل کمیشن ایجنٹ مخصوص کمپنی یا ادارے کے ساتھ فیصد کے حساب سے نفع طے کرکے اس کے اموال فروخت کرنے کا ذمہ لیتا ہے، جسے (SOL AGEANT) کہا جاتا ہے۔

فقہی اعتبار اس صورت کی تخریج یہ ہے کہ کمیشن ایجنٹ خود کمپنی سے مال خرید کر دوسرے گراہکوں کو فروخت کرتا ہے۔

اس میں قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ کمیشن ایجنٹ اس طرح کے اموال پر خود براہ راست یا اپنے وکیل کے توسط سے قبضہ کرلے؛ پھر آگے فروخت کرے، تاکہ یہ بیع درست ہوسکے۔ کیوں کہ احناف کے یہاں بیع قبل القبض ممنوع ہے۔

(۲) کمیشن ایجنٹ صرف گراہکوں کو اپنی مخصوص کمپنی یا فرم سے سامان خریدنے کی ترغیب دیتا ہے، اس صورت میں بھی اس کا نفع فیصد کے اعتبار سے

طے ہوتا ہے، یہ بھی شرعی اعتبار سے جائز ہے۔اس لیے کہ یہ اس کی محنت وترغیب کی اجرت ہے، جس کے جائز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ (ملخص از جدید فقہی مسائل: ۳۸۷)

نوٹ: ہم نے اوپر دلال اور کمیشن ایجنٹ کا جو معنی بیان کیا ہے، اس کے مطابق یہ دوسری صورت دلال کی ہے۔اس کی مزید تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

کمیشن ایجنٹ کی اجرت کا جواز

کمیشن ایجنٹ کی اجرت کے متعلق دو امور قابل غور ہیں:

(۱) اجرت کی جہالت (۲) اجرت کا جزءِ عمل ہونا۔یعنی قفیزِ طحان کی صورت۔

(۱) اجرت کی جہالت:

پہلے امر سے متعلق حضرت مولانا مفتی تقی صاحب دامت برکاتہ فرماتے ہیں کہ تعیینِ اجرت کی ایک شکل یہ ہے کہ کوئی اجرت مقرر کر لی جائے کہ تمہیں پانچ ہزار روپئے دیں گے، تو اس کو سبھی جائز کہتے ہیں۔لیکن عام طور پر اس طرح اجرت معین نہیں ہوتی بلکہ فیصد کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے کہ جتنے میں تم بیچوں گے اس کا دو فیصد تم کو ملے گا، آج کل کی اصطلاح میں اس کو کمیشن ایجنٹ بھی کہتے ہیں، یعنی تم سامان بیچو گے اس کی قیمت کا دو فیصد تمہیں ملے گا، ایک فیصد ملے گا، تو اجرت فیصد کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔

بعض حضرات نے اس طرح فیصد سے اجرت طے کرنا ناجائز کہا ہے کہ یہ

عمل کی اجرت ہے اورسمسار(کمیشن ایجنٹ) کا عمل ثمن کی کمی بیشی سے کم اور زیادہ نہیں ہوتا۔یعنی چیز ہزار میں بکے یا سو میں؛ دونوں میں محنت تو یکساں صرف ہوگی ،لہٰذا ثمن کی مقدار سے مربوط کرکے اس کا فیصد بطور اجرت طے کرنا بعض حضرات کے نزدیک جائز نہیں۔

لیکن اس میں بھی مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔علامہ شامی نے متأخرین حنفیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجرت ہمیشہ عمل کی مقدار کے مطابق ہو یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ عمل کی قدرو قیمت اور عمل کی حیثیت کے لحاظ سے بھی اجرت میں فرق ہو جاتا ہے، اس کی مثال علامہ شامیؒ نے اس طرح دی ہے ایک شخص چمڑے میں سوراخ کرتا ہے اور ایک شخص موتی میں سوراخ کرتا ہے، دونوں میں زیادہ فرق نہیں، لیکن موتی کے اندر سوراخ کرنے والے کے عمل کی قدرو قیمت زیادہ ہے، اس لیے وہ زیادہ اجرت لیتا ہے۔ اسی طرح اگر کمیشن ایجنٹ کی مساعی سے کمپنی کو زیادہ نفع ہوتا ہو تو کمیشن ایجنٹ کے عمل کی قدرو قیمت زیادہ ہے، لہٰذا اس میں فیصد کے تناسب سے اجرت مقرر کی جاسکتی ہے اور یہی مناسب بھی ہے۔

مثلاً کوئی شخص کمیشن پر گاڑیوں کی خرید وفروخت کا ایجنٹ ہے، مہنگی اور سستی ؛ دونوں طرح کی گاڑیاں فروخت کرنے یا کروانے کی محنت میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔مگر اس کے عمل سے مہنگی گاڑی کے مالک کو زیادہ فائدہ ہوا، اس اعتبار سے اس کے عمل کی قدرو قیمت زیادہ ہے، لہٰذا وہ اس سے زیادہ اجرت لے سکتا ہے۔
(ماخوذ از اسلام اور جدید معاشی مسائل:۲/۲۰۰-۲۰۱)

(۲) قفیز طحان کی صورت

اس میں چونکہ اجرت فیصد کے حساب سے طے ہوتی ہے یعنی فروخت شدہ چیز کی قیمت کے اعتبار سے اجرت طے ہوتی ہے، اور یہ امر بھی تقریباً طے ہوتا ہے کہ اسی قیمت کا ایک مخصوص حصہ بطور اجرت دیا جائے گا۔اس طرح گویا یہاں (جز وعمل) کو بطور اجرت متعین کیا جا رہا ہے، جو حدیث کی رو سے قفیز الطحان کے ضمن میں آتا ہے۔سوال یہ ہے کہ قفیز طحان کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ بھی ممنوع ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ احناف کے اصل مذہب کے مطابق تو یہ 'قفیز طحان' کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا، البتہ متأخرین نے ایسی متعدد صورتوں کو عرف اور تعامل ناس کی وجہ سے درست قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہ تحریر فرماتے ہیں:

شریعت مطہرہ میں عرف وعادت اور تعامل ناس قاعدہ کلیہ اور اصل عظیم کی حیثیت رکھتے ہیں، کثیر تعداد میں مسائل فقہیہ کا مدار اسی قاعدہ پر رکھا گیا ہے۔آج کل کمیشن ایجنٹ اور دوسرے بعض مسائل میں حصہ لینا عام عادت بن گئی ہے، اس لئے ایسے معاملات جائز اور درست ہونے چاہئے۔

(ملخصا از: فتاوی دار العلوم زکریا: ۶۴۴/۵۔۶۵۰) قاموس الفقہ: ۴۹۹/۱)

نوٹ: مسئلہ قفیز طحان کے متعلق مختصر بحث آگے آئے گی، ان شاء اللہ۔

کمیشن ایجنٹ کے متعلق ادارۃ المباحث الفقہیہ کی تجاویز:

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے گیارہویں فقہی اجتماع میں 'کمیشن

اوراس کی مروجہ شکلوں' کے بارے میں جو تجاویز پاس ہوئیں وہ درج ذیل ہیں۔

(الف) موجودہ دور میں کمیشن ایسا لفظ ہے جو اپنی نوعیّتوں کے اعتبار سے مختلف معانی پر منطبق ہوتا ہے، کہیں کمیشن کا اطلاق دلالی، اجارہ یا جعالہ پر کیا جاتا ہے، اور کہیں ابتداء تبرع یا احسان پر اور کہیں صریح رشوت پر، لہٰذا نہ تو ہر طرح کے کمیشن کو جائز کہنا صحیح ہے اور نہ ہی ہر طرح کے کمیشن پر عدم جواز کا اطلاق درست ہے، بلکہ اصل حقیقت کو پیش نظر رکھ کر حکم شرعی متعین کیا جائے گا۔

(ب) جن صورتوں میں کمیشن دلالی یا جعالہ کے دائرے میں آتا ہے ان میں جواز کے لیے درج ذیل شرطوں کا لحاظ ضروری ہوگا:

(۱) کمیشن کسی واجبی ذمہ داری کا عوض نہ ہو، یعنی ایسے کام کا عوض نہ ہو جو عامل پر پہلے سے واجب ہو۔

(۲) کمیشن کسی مباح عمل کا عوض نہ ہو جو عامل پر پہلے سے واجب ہو۔

(۳) کمیشن کی تعیین اور لین دین باہمی رضامندی سے ہو اور کسی قسم کا جبر و دباؤ نہ ہو۔

(۴) کسی مباح عمل کے عوض میں ہی کمیشن کا لین دین ہو۔

(۵) کمیشن ایسا متعین ہو جو بعد میں فریقین کے درمیان نزاع کا سبب نہ بنے، خواہ ایک متعینہ رقم ہو یا فیصد کے حساب سے۔

(۶) کمیشن کا پورا عمل دھوکہ دہی اور جبر و اکراہ سے خالی ہو اور فریقین سے اجرت کی مقدار مخفی نہ ہو۔

(ج) زمین کی خرید و فروخت میں مروجہ کمیشن دونوں فریقوں سے بھی لینا

جائز ہے، بشرطیکہ کمیشن لینے والا دونوں کے درمیان معاملہ طے کرانے اور کاغذات وغیرہ تیار کرانے پر کمیشن لے، جیسا کہ مروج ہے، اور اگر کسی ایک ہی فریق کا وکیل بن کے کام کرے گا تو صرف اسی سے اجرت لینے کا حق دار ہوگا۔ اور یہ پورا معاملہ جھوٹ اور فریب سے پاک وصاف ہونا چاہئے۔

(د) کارپینٹر اور پلمبر وغیرہ (اجیر مشترک) اگر سامان سمیت کام کرنے کا ٹھیکہ لیتے ہیں اور خود ہی دکان دار سے سامان خرید کر لگاتے ہیں تو اس صورت میں دکان دار انہیں جو کمیشن دے گا اسے لینے کی گنجائش ہے، کیوں کہ وہ خود اپنے لئے خریداری کر رہے ہیں اور مستأجر کے وکیل نہیں ہے۔ اور اگر کارپینٹر وغیرہ صرف کام کرنے کا اجیر ہو، سامان اس کے ذمہ میں نہ ہو اور مالک خود سامان خرید کر لادے، تو اس صورت میں اجیر کے لیے دکان دار سے کمیشن لینا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اس میں اجیر کا کوئی عمل نہیں پایا گیا۔

اگر اجیر مشترک نے صرف کام کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور سامان اس کے ذمہ میں نہیں تو دکان سے سامان لانے پر اس اجیر کے لیے بطور جعالہ کمیشن لینے کی گنجائش ہے۔

(ھ) اسکول میں داخلہ کرانے پر اگر کوئی کدو کاوش کی گئی ہو، مثلا کاغذات کی خانہ پری وغیرہ تو اس کی مناسب اجرت لینے کی گنجائش ہے، لیکن اگر کسی عمل کے بغیر محض اپنی وجاہت کی بنیاد پر کوئی شخص اسکول میں داخلہ کرانے کا معاوضہ لے تو رشوت میں داخل ہو کر ناجائز ہوگا۔

(و) عام طور پر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ تعلیمی ادارے اپنا مقررہ

نصاب یا ڈریس وغیرہ خاص دکان سے خریدنے کا طلبہ کو پابند بناتے ہیں اوراس پر دکاندار سے کمیشن لیتے ہیں تو یہ کمیشن ان کے لیے جائز نہیں ہے۔

(ز) اجیر خاص یعنی منیجر وغیرہ کمپنی کے امین و وکیل ہوتے ہیں، لہٰذا ایسا شخص کمپنی کے لیے اگر کوئی سامان خریدے تو دکاندار سے جو کمیشن ملے گا وہ اجیر خاص کا حق نہیں؛ بلکہ کمپنی کا حق ہے، لہٰذا اسے کمپنی میں جمع کرانا ضروری ہے اور مالک کی اجازت کے بغیر خود استعمال کرنا جائز نہیں، اس مقصد کے لیے بلوں میں ہیرا پھیری سراسر دھوکہ ہے جو قطعاً حرام ہے۔

(ح) فرم کے متعلقہ ملازم کو کسی مال کے مطلوبہ معیار کی توثیق کے لیے جسے آرڈر پاس کرنا کہتے ہیں، اس پر کمیشن لینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ رشوت میں داخل ہے۔

(ط) سرکاری ٹینڈروں کی منظوری کے لیے متعلقہ افسران کا کمیشن لینا بلاشبہ رشوت ہے، اور ٹینڈر بھرنے والوں کے لیے اس کا عام حالات میں دینا بھی جائز نہیں، البتہ اگر اس کے بغیر کام نہ چلے تو دینے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ ٹینڈر کی شرائط کے مطابق سامان وغیرہ لگایا جائے۔

(ی) مختلف اشیا کی فروختگی اوراس کی تشہیر پر کمپنیاں اپنے متعلقہ افراد کو جو کمیشن دیتی ہیں وہ جائز ہے۔

(ک) دواساز کمپنیاں اپنی دواؤں کی ترویج کے لیے ڈاکٹروں کو بلا مطالبہ کچھ انعام دیتی ہوں اور ڈاکٹر اس دوا کو مفید سمجھ کر تجویز کرتے ہوں تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن ڈاکٹر کے لیے اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں، اسی طرح میڈیکل

اسٹورکو خاص مقدار میں دواؤں کی فروختگی پر کمپنیوں کی طرف سے جو انعام دیا جائے اس میں بھی کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ یا تو حط ثمن کے دائرہ میں آتا ہے یا انعام کے۔

(ل) آج کل معالجین کی طرف سے مختلف بہانوں سے کمیشن لینے کے رواج کی وجہ سے علاج گراں سے گراں تر ہوتا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے عوام سخت پریشان ہیں، جبکہ مریض کے لیے مفید تر دوا تجویز کرنا، حسب ضرورت ٹیسٹ تجویز کرنا، کسی اور معالج یا اسپتال کو ریفر کرنا معالج کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اس کا لیب، اسپتال، میڈیکل اسٹور اور وہ معالج جس کو ریفر کیا گیا ہے، وغیرہ سے کمیشن لینا جائز نہیں ہے۔

(م) اسی طرح معالجین کا بلا ضرورت ٹیسٹ لکھنا یا غیر معتبر لیب کی طرف رہنمائی کرنا دھوکہ دہی اور خیانت کی بنیاد پر نا جائز ہے۔

(ن) اگر کسی نے الٹرا ساؤنڈ یا لیب کی دکان کھولی ہے اور مارکیٹ کی موجودہ صورت حال میں اس کے لیے ڈاکٹروں کو متعینہ کمیشن دیئے بغیر اپنا سینٹر یا دکان چلانا مشکل ہو تو ایسی صورت میں اس کے لیے مجبوراً ڈاکٹروں کو متعینہ کمیشن دینے کی گنجائش ہوگی، لیکن ڈاکٹر کے لیے اس کا لینا جائز نہ ہوگا۔

(س) آٹو، ٹیکسی، اور گاڑی والے مخصوص ہوٹلوں تک مسافروں کو لے جانے پر جو کمیشن ہوٹل والوں سے لیتے ہیں وہ جعالہ میں داخل ہو کر جائز ہوگا؛ بشرطیکہ اس میں جھوٹ اور دھوکہ نہ ہو۔ (فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے اور تجاویز: گیارہواں اجتماع، حیدر آباد)

اجرت علی الوکالۃ

وکیل کسی چیز میں غیر (مؤکل) کا نائب بن کر کام کرتا ہے۔اور یہ شرعاً درست بھی ہے تو اس کے لیے حسبِ شرائط اجارہ اپنے عمل پر مؤکل سے اجرت لینے پر شرعا کوئی قباحت نہیں، یہ بھی اجارہ علی العمل کی ایک شکل شمار ہوگی۔
البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ عقد وکالت میں اجرت کی شرط طے پائی ہو، یا ایسے شخص کو وکیل بنایا گیا ہو جو اجرت کے ساتھ کام کرنے میں مشہور ہو۔

كل عقد جاز أن يعقده الانسان بنفسه جاز أن يؤكل به غيره لأن الانسان قـد يعجز عن المباشرة بنفسه على اعتبار بعض الأحوال ، فيحتاج الى أن يؤكل به غيره فيكون بسبيل منه دفعًا للحاجة۔ (هدايه: ۱۸۵/۳)

إذا اشتـرطت الأجرة فى الوكالة وأوفاها الوكيل استحق الأجرة وان لم تشترط ولم يكن الوكيل ممن يخدم بالأجرة كان متبرعا فليس له أن يطالب بالأجرة (شرح المجله على حيدر: ۱۰/ ۵۹۳)

اتفق الفقهاء على أن الوكالة قد تكون بغير أجر وقد تكون بأجر فـقـد ثبـت عـن الـنبـىﷺ الأمـران حيـث وكّل أنيسـاً فـى إقـامة الـحـد...... وأيـضا كان يبعث عمّاله لقبض الصدقات ويجعل لهم عمالة. (موسوعة فقهية: ۴۵ / ۹۰)

ضمانت اور گارنٹی پر اجرت

حصول قرض پر ضمانت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کوئی تیسرا شخص اداءِ دین کی

ضمانت لے لے اور یہ ذمہ داری قبول کرلے کہ مدیون (اصیل) اگر دین ادا کرنے سے قاصر رہا تو میں دین ادا کردوں گا؛ اس قسم کی ضمانت کو (کفالہ) کہا جاتا ہے، کیا اس طرح کی کفالت پر اجرت لینا درست ہے؟

آج کل بینک کے ذریعہ یہ کام لیا جاتا ہے، یعنی مشتری کی جانب سے بائع کو اس بات کی یقین دہانی کرانے کے لیے کہ مشتری اس کا ثمن ادا کردے گا، بینک کی گارنٹی (کفالت) پیش کی جاتی ہے۔

البتہ بینک اس وقت تک دین کی ادائیگی کی گارنٹی نہیں دیتا جب تک مکفول لہ (وہ شخص جس کی طرف سے بینک گارنٹی دے رہا ہے) بینک کو متعین اجرت ادا نہ کرے اور یہ اجرت کبھی دین کی مقدار کے لحاظ سے متعین کی جاتی ہے مثلا تین فیصد یا چار فیصد اور کبھی کسی اور طرح سے متعین کی جاتی ہے۔

اس کی فقہی حیثیت سے اس پر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر علماء ومفتیان کرام کے فتاوی اور تحقیقات اس میں مختلف ہیں۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اس کی تحقیق یوں پیش فرمائی ہے کہ 'کفالہ ' ایک عقد تبرع ہونے کے اعتبار سے قرض کی طرح ہے، یعنی کفالہ (گارنٹی) اور قرض دونوں عقدِ تبرع ہے، جس طرح قرض پر نفع لینا جائز نہیں اسی طرح گارنٹی پر اجرت لینا بھی جائز نہیں۔ (ماخوذ از فقہی مقالات: ۱/۹۶)

حضرت مفتی محمد رضاء الحق صاحب دامت برکاتہ نے بھی اسے عقد تبرع مان کر اس پر اجرت لینے کو نا جائز کہا ہے۔

والكفالة عقد تبرع كالنذر لايقصد به سوى ثواب الله أو رفع الضيق عن الحبيب فلا يبالى بما التزم فى ذلك --- فكان مبناها التوسع . (فتح القدير: ۷/ ۱۷۰) **ماخوذ از فتاوی دار العلوم زکریا:۵/۶۹۹)**

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہ اسی مسئلہ کے متعلق وضاحت فرماتے ہوئے اسے عقد تبرع قرار دیتے ہیں، البتہ شیخ وہبہ زحیلی کے قول کے مطابق مجبوری میں کفالہ کی اجرت دینے کی اجازت نقل فرمائی ہے۔(جدید فقہی مسائل:۴/۱۶۲)

ولا تصح الكفالة الاممن يملك التبرع لانه عقد تبرع ابتداءً.(مجمع الانهر: ۳/ ۱۷۲)

الكفالة عقد تبرع وطاعة يثاب عليها الكفيل--- ولو قام المكفول له بتقديم شئ من المال للكفيل هبة أوهدية جاز لكن ان شرط الكفيل تقديم مقابل أو أجر على كفالته وتعذر على المكفول عنه تحقيق مصلحته من طريق المحسنين المتبرعين جاز له دفع الأجر للضرورة أو الحاجة العامة۔(الفقه الاسلامى وأدلته : ۵/ ۵۰)

کفالہ میں سروس چارج یا دوسری حیثیت سے اجرت کا جواز

عقد کفالہ میں کفیل کوئی محنت یا کچھ خرچہ برداشت کرے یا وہ وکیل یا دلال کی حیثیت سے کام کرے تو اس حیثیت سے اجرت لینا بالاتفاق جائز ہے۔ چنانچہ مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے اجرت علی الکفالۃ کے ناجائز قرار دینے کے بعد بطور متبادل دو شکلیں تحریر فرمائی ہیں:

(۱) لیٹر آف کریڈٹ (Letter of credit) جاری کرنے کے عمل میں بینک کے جو واقعی اخراجات اور مصارف ہوتے ہیں ان کا مطالبہ کرنا عمیل سے جائز ہے۔

(۲) امپوٹر اور ایکسپوٹر کے درمیان معاملہ کی تکمیل کے سلسلہ میں بینک جو خدمات بجالاتا ہے اس پر بحیثیت وکیل یا بحیثیت دلال یا درمیانی واسطہ ہونے کی حیثیت سے اپنی خدمات پر اجرت کا مطالبہ کرنا بینک کے لیے جائز ہے؛ لیکن صرف کفالت اور گارنٹی پر کسی اجرت کا مطالبہ کرنا بینک کے لیے جائز نہیں۔ (ماخوذ از فقہی مقالات:۱/۹۸)

اجرت علی الکفالۃ سے متعلق فقہ اکیڈمی جدہ کی تجاویز

فقہ اکیڈمی، جدہ؛ کے دوسرے اجلاس منعقد جدہ، سعودی عرب مؤرخہ ۱۰۔ ۱۶ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۲۔۲۸ دسمبر ۱۹۸۵ء میں اس موضوع سے متعلق پیش کی گئی تحقیقات کے بعد جو نکات اکیڈمی کے سامنے آئے، وہ درج ذیل ہیں:

لیٹر آف کریڈٹ (L.C.)

(۱) لیٹر آف کریڈٹ کی تمام صورتوں میں ایل سی کھلواتے وقت یا تو زرِ ثمن جمع کیا گیا ہوگا یا نہیں کیا گیا ہوگا، اگر جمع نہیں کیا گیا ہوگا تو اس کی حقیقت یہ ہوگی کہ ایل سی کھلوانے والے پر حال یا مستقبل میں جو ذمہ داری آنے والی ہے اس میں ضامن (بینک) بھی اپنی ذمہ داری شامل کر لیتا ہے، اور اسی صورت کا نام فقہ اسلامی میں ضمان یا کفالت ہے۔

اوراگرزرِثمن جمع کیا گیا ہوتوایل سی کھلوانے والےشخص اورایل سی کھولنے والے(بینک) کے درمیان تعلق کو وکالت کہا جائے گا اور وکالت اجرت کے ساتھ بھی درست ہے اور بغیر اجرت کے بھی، نیز بینک کا ایل سی کھلوانے والے (مکفول لہ) کا ضامن بن جانا بھی درست ہے۔

(۲) کفالت ایسا عقد تبرع ہے جس کا مقصد امدار واحسان ہوتا ہے، فقہاء نے کفالت پرعوض لینے کو ناجائز قرار دیا ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں کفیل کا ضمان کی رقم ادا کرنا اس قرض کے مشابہ ہوگا جس سے قرض دینے والے کو نفع حاصل ہو، اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔

مندرجہ بالا امور کے پیش نظر اکیڈمی طے کرتا ہے کہ:

اول: لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے کی صورت میں عمل ضمانت کے بدلے اجرت لینا جائز نہیں ہے (جس میں عام طور پر ضمانت کی رقم اوراسکی ادائیگی کی مدت کو مدنظر رکھا جاتا ہے) خواہ اس کا زرِثمن جمع کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

دوم: ایل سی کی دونوں قسموں کے اجراء میں ہونے والے دفتری اخراجات کا مطالبہ شرعاً درست ہے، بشرطیکہ مطلوبہ اخراجات مروجہ مناسب اجرت (اجر مثل) سے زائد نہ ہوں، اوراگر پورا زرِثمن یا اس کا کچھ حصہ ادا کردیا گیا ہوتو ایل سی کے اجراء میں ہونے والے مصارف کی تعیین میں ان اخراجات کو بھی ملحوظ رکھنا درست ہے، جو اس زرِثمن کی ادائیگی کے سلسلہ میں حقیقتاً برداشت کرنے پڑتے ہیں۔(واللہ اعلم)(انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی، جدہ؛ کے شرعی فیصلے:۹۲۔۹۳)

لیکن مذکورہ مسئلہ میں حضرت مفتی محمد شبیر صاحب دامت برکاتہم نے کفیل کے لیے عقد کفالت کی بنیاد پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے:

چنانچہ مفتی محمد شبیر صاحب دامت برکاتہم ؛حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کی تحقیق پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حضرت والا نے کفیل کو قرض خواہ پر قیاس کر کے کفیل کے لئے اجرت لینا ناجائز قرار دیا ہے، اور موصوف مدظلہ نے کفیل کی قرض خواہ کے ساتھ بہت دور سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے؛ مگر اکثر فقہاء کرام نے کفیل کے لیے اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہےاور یہ کل قرض جر نفعا کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا ،اوراس زمانہ میں ضرورت بھی ہے ورنہ تو آج کل بغیر اجرت کے کوئی شخص ضمانت کا بار اپنے اوپر لینے کے لیے تیار نہیں ہوگا، لہٰذا حضرات فقہاء کی عبارت کی روشنی میں اس کو جائز قرار دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ولأن الکفالة والرهن شرعاً للتوثق والتوثق ملائم للأجر (بدائع : ٤/ ٦١) (ماخوذ از انوار احمت:۲۴۲)

عقد جعالہ

لغوی تعریف: لغت میں جُعالہ،جعل،جعلیۃ وہ بدل یا اجرت ہے جو انسان کو کسی دوسرے کی طرف سے کوئی متعین یا مجہول کام کرنے پر ملتی ہے، جسے وعدۂ انعام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے گویا کہ یہ عقد ہے یا آدمی کا اپنے اوپر یک طرفہ بالارادہ التزام ہے۔

الجعالة او الجعل او الجعلية لغةً :هی ما يجعل للانسان علی فعل شئ أو ما يعطاه الانسان علی امر يفعله وتسمی عند القانونين (الوعد بالجائزه) فهی عقد أو التزام بإرادة منفردة (الفقه الاسلامی و أدلته: ٤ /٥٧٩)

اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں جعالہ ایک ایسا عقد ہے جس میں متعاقدین میں سے ایک (جاعل) اس شخص (عامل) کو متعینہ یا غیر متعینہ مدت میں متعینہ نتیجہ مرتب کرنے پر متعین عوض دینے کا التزام کرتا ہے۔

تعريف الجعالة : الجعالة عقد يلتزم فيه أحد طرفيه (وهو الجاعل) بتقديم عوض معلوم وهو الجعل لمن يحقق نتيجة معينة فی زمن معلوم أو مجهول وهو العامل۔(المعايير الشرعية:٤٢٥)

جعالہ کی نوعیت وصورت:

جعالہ کی صورت یہ ہوتی کہ کوئی شخص یہ اعلان کر دیتا ہے جو شخص میرا فلاں کام کردے گا میں اسے بطور بدل اتنا انعام دوں گا۔

مثل قول القائل: من رد علی دابتی الشاردة أو متاعی الضائع أو بنی لی هذا الحائط أو حفرلی هذا البئر حتی يصل إلیّ الماء أو خاط لی قميصًا أو ثوبًا فله كذا ۔(الفقه الاسلامی وأدلته : ٥٧٩/٤)

جعالہ کے جواز وعدم جواز سے متعلق مذاہب فقہاء

حضرات ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس عقد کے جواز کی تصریح مذکور ہے۔

دلیل جواز آیتِ کریمہ: ولمن جاء به حمل بعير وأنا به زعيم ہے، جو جعالہ کی ہی شکل بنتی ہے۔اسی طرح صحابہؓ کا ایک وفد عرب کے کسی قبیلہ کے پاس پہنچا اور قافلہ والوں نے بستی والوں سے مہمانی طلب کی لیکن وہ لوگ اس پر تیار نہیں ہوئے، اسی دوران بستی میں ایک شخص کو سانپ نے ڈس لیا۔اب بستی والوں نے ان سے رقیہ طلب کیا تو صحابہ میں سے رقیہ پڑھنے والوں نے کہا کہ (فلا نفعل أو تجعلو النا جعلا الخ)۔یہ بات آپ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔گویا کہ آپ کی طرف سے اس فعل کی تقریری اجازت حاصل ہوگئی۔

نیز جعالۃ ماقبل اسلام سے عرب میں رائج تھا، نبی کریم ﷺ کو اس کا علم بھی تھا، اور آپ ﷺ نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی، اور قاعدہ یہ ہے اسلام میں ابتداءً جائز قرار دیے جانے والے اعمال اور بذریعہ تقریر جائز قرار دیے گئے پہلے کے اعمال میں بحیثیت جواز کوئی تفاوت نہیں۔خصوصًا جبکہ ضرورت اس فعل کے جواز کی متقاضی ہے اور حاجت وضرورت کے پیش نظر دیگر معاملات مثلا :قرض، مزارعت، مساقات وغیرہ اصول وقواعد مستثنی ہوتے ہیں، جیسا کہ قدیم زمانہ سے سلف کا اسی پر عمل چلا آرہا ہے۔

وتجوز الجعالة شرعًا عند المالكية والشافعية والحنابلة بدليل قوله تعالى فى قصة يوسف مع إخوته (قالوا نفقد صواع الملك ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم) أى كفيل وبدليل ماجاء فى السنة من أخذ الأجرة على الرقية بالفاتحة (أم القرآن) وهو ماروواه الجماعة الا النسائى عن أبى سعيد الخدرى أن ناسًا من أحباب رسول الله ﷺ

أتـوا حيـا من أحياء العرب فلم يأوهم (يضيفوهم) فبينماهم كذلك إذ لدغ سيد أولئك فقالوا : هل فيكم راق ؟ فقالوا لم تقرونا، فلا نفعل أو تجعلوا لنا جعلا الخ۔ (الفقه الاسلامى: ٤/ ٥٨٠)

وأيـضا فإن الجعل مما كان موجودًا فى معاملات الناس جاهليةً واسـلامًا، فأقر النبى ﷺ فعله ولم يتعرض لابطاله مع علمه بذلك ولا فـرق بيـن مـا كـان يبتدى اجازته شرعًا وبين مايقر على اجازته وأيضًا فـإن الـضـرورـة تدعوا الى ذلك أشد مماتدعوا الى القرض والمساقاة والـضرورة مستثناة من الأصول وقد مضى عمل المسلمين على ذلك فـى سـائـرالأمـصـار عـلـى قـديـم الأوقـات والأمـصـار۔(المقدمات الممهدات لابن رشد المالكى: ٢/ ١٧٦)

حضرات ائمہ احناف نے جعالہ کو ناجائز کہا ہے ،اس لیے کہ اس میں جہالت ہوتی ہے، بایں طور کہ عامل کی تعیین نہیں ہوتی ،ایک اور ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں،علاوہ ازیں عامل پر عمل کا التزام بھی نہیں ہوتا۔ بہت سی صورتوں میں وقت کی تعیین بھی نہیں ہوتی۔ نیز اس میں مال کے استحقاق کو خطر پر معلق کرنا پایا جاتا ہے، جو قمار کی صفت ہے اور قمار حرام ہے۔

لأن الـعـقـد مـع الـمجهول لاينعقد لو قال من رده فله كذا ولم يـخـاطـب به قومًا بأعيانهم فرده أحدهم لايستحق شيئًا ثم هذا تعليق استـحـقـاق الـمـال بـالـخـطـر وهو قمار والقمار حرام فى شريعتنا.(مبسوط :١١/ ١٨)

لاتجوز الجعالة عند الحنفية لمافيها من الغرر أى جهالة العمل و المدة قياسًا على سائر الإجارات التى يشترط لها معلومية العمل و الماجور والأجرة والمدة وإنما أجازوا فقط استحساناً دفع الجعل لمن يرد العبد الآبق ولو بلاشرط .

وتجوز الجعالة شرعًا عند المالكية والشافعية والحنابلة.(الفقه الاسلامی: ٤/ ٥٧٩)

قلت : والحاصل أن أجرة السمسرة ضربان : إجارة و جعالة ؛ فالأول يكون مدة معلومة يجتهد فيها للبيع و هذا جائز بلاخلاف-- والجعالة لايضرب فيها أجل و لايستحق فيها شيئاً إلا بتمام العمل وهى فاسدة عندنا لجهالة العمل والأجل معاً مرة و جهالة أحدهما أخرى. (اعلاء السنن : ١٦-٢٠٨)

جعالہ کے عدم جواز کے دلائل کا جائزہ

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے یہاں عدم جواز کی جو وجہ ذکر کی جاتی ہے وہ بھی جعالہ میں نہیں پائی جاتی، اس لیے کہ اجرت متعین ہوتی ہے، عملِ مطلوب متعین ومعروف ہوتا ہے، مدت کبھی صراحتاً متعین ہوتی ہے اور کبھی بایں طور متعین ہوتی ہے کہ دیگر ذرائع سے طالب کی یہ ضرورت پوری ہو اس سے قبل اس کو مطلوبہ چیز مہیا کردی جائے۔عقد اجارہ سے جس بنیادی امر میں اختلاف ہے وہ جانبین کا التزام ہے، یعنی کسی متعین شخص کو اس کا اجیر مان کر اس سے کام کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، اورکام کردینے والے تمام کو اجرت دینا لازم نہیں بلکہ جو سب

سے پہلے کام کر دے اس کو اجرت دینا لازم ہوتی ہے۔

اس تفصیل کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ احناف کے اصول کے مطابق بھی یہ عقد جائز ہونا چاہئے، گرچہ بعض فقہاء نے عدم جواز کی صراحت کی ہے،حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں :امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ منسوب ہے کہ جعالہ کو جائز نہیں فرماتے کیوں کہ یہ اجارہ کی شرائط پر پورا نہیں اترتا،لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ ایسی کوئی صراحت موجود نہیں ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہو کہ جعالہ حرام ہے، البتہ جعالہ کے جواز پر بھی ان کی کوئی روایت موجود نہیں ہے، اس واسطے لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جعالہ جائز نہیں........اس بارے میں میرا غالب گمان یہ ہے کہ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی نفی کی بات ثابت نہیں ہے،لیکن اثبات کی بھی کوئی راویت نہیں ہے، اس واسطے ان کی طرف عدم جواز کی نسبت کی جاتی ہے، ورنہ دلائل کے نقطۂ نظر سے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ ولمن جاء به حمل بعير کی روشنی میں جعالہ کا جواز واضح ہے، اور علامہ ابن قدامہ نے 'المغنی' میں صراحتاً امام ابوحنیفہ سے بھی جواز نقل کیا ہے،فرماتے ہیں:الجعالة فی رد الضالة والآبق وغيرهما جائزة وهذا قول أبی حنيفة ومالك و الشافعی ولا نعلم مخالفاً (ملخص از اسلام اور جدید معاشی مسائل:۱۲۱/۴۔۱۲۲)

جعالہ کے جواز کے دلائل اور فقہی تصریحات

اسی طرح دیگر دلائل اور فقہی تصریحات کو دیکھا جائے تو بھی جعالہ کا جواز ہی

درست معلوم ہوتا ہے، خصوصاً جب کہ لوگوں کی ضرورت اس کے جواز کی مقتضی ہے۔اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) عقد جعالہ کے جواز کے دلائل تقریباً صریح ہیں۔

آیت قرآنیہ" ولمن جاء به حمل بعير الخ "سے جواز کے استدلال پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ ہم سے پہلے کی شریعت کا واقعہ ہے، تو اس کے متعلق یہ واضح طور پر معلوم ہونا چاہئے کہ (شرائع من قبلنا) جب تک منسوخ نہ ہو وہ اس شریعت میں بھی حجت ہیں، چنانچہ امام ابوجصاص رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں ذکر فرماتے ہیں کہ:

"شرائع من قبلنا من الانبياء حكمها ثابت عندنا مالم تنسخ"

(احكام القرآن: ۲/ ۱۷۵)

(۲) عقد جعالہ کی بعض صورتیں احناف کے یہاں بھی جائز ہیں، جیسے (تنفیل) یعنی امیر لشکر یا سپہ سالار، مجاہدین کو ترغیب دلانے کے لیے یہ کہے کہ جو مجاہد کسی کافر جنگجو کو قتل کردے تو اس کا سامانِ جنگ اسے ملے گا؛

علامہ تمرتاشی فرماتے ہیں وندب للامام أن ينفل وقت القتال حثا.

(تنوير الابصار: ٤/ ١٥٦)

(۳) دلال کمیشن پر کام کرتا ہے اور اپنے عمل مثلاً مکانات کی خرید وفروخت وغیرہ پر عام طور پر فیصد کے حساب سے متعین اجرت وصول کرتا ہے حالانکہ اس کا عمل بھی مجہول ہوتا ہے، بایں طور کہ کبھی سودا جلدی ہو جاتا ہے اور کبھی مدتوں کے

بعد ہوتا ہے اور اس میں کبھی قیمتوں کی کمی بیشی کا بھی سامنا ہوتا ہے، اس کے باوجود جب سودا ہوتا ہے تو اس میں بھی اتنا ہی کمیشن ملتا ہے جتنا فوراً سودے کے وقت ملتا ہے اور حنفیہ کے یہاں یہ صورت جائز ہے۔

(۴) اسی طرح بھگوڑے غلام کے واپس کرنے والے کو انعام دینا بھی جعالہ کی ایک صورت بنتی ہے، حنفیہ کے یہاں بھی یہ جائز ہے، بلکہ صحابہ کا اس پر اجماع ہے، جیسا کہ مبسوط سرخسی میں مذکور ہے۔

فقد اتفقوا على وجود أصل الجعل و كفى بإجماعهم حجة۔ (مبسوط : ١١/ ١٧)

(۵) اس کے علاوہ جعالہ کی بعض دیگر صورتوں کو احناف نے جائز قرار دیا ہے حالانکہ اس میں بھی 'عمل' متعین نہیں ہوتا؛ لیکن ضرورت کے پیش نظر اسے بھی جائز کہا ہے تو ضرورت یہاں بھی متقاضی ہے۔

إن عمل إجارة السمسار والمنادى والحمامى ومالا يقدّر فيه الوقت و لا مقدار العمل لما كان للناس به حاجة جاز ۔ (بزازية على هامش الهنديه: ٥/ ٤٠ ، شامى: ٩/ ٦٤)

جب جعالہ کی ان صورتوں کو حاجۃ الناس کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے تو پھر دیگر صورتوں کو جائز قرار دینے میں کوئی مانع نظر نہیں آتا؛ خصوصًا جبکہ عصر حاضر میں جعالہ کو جائز قرار دینے کی حاجت بھی ہے نیز دلالی کے عقد کا جواز اس کی ایک قوی نظیر بھی ہے۔

حنفی فقہ کے مشہور عالم ملا جیون نے اپنی تفسیر 'التفسیرات الاحمدیہ' میں

(نفقد صواع الملك الخ) کی تفسیر کے ضمن میں جعالہ کا جواز نقل کیا ہے۔

المقصود من ذكر الآية أنها تدل على جواز بيع الطعام مكايلة بالدراهم أو السلعة وغير ذلك وعلى جوازه بأقل من القيمة تفضلا و على جواز عقد البضاعة كما لا يخفى وان لم ينصوا به (التفسيرات الأحمديه:٤٨٨)

(۷) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی ''ولمن جاء به حمل بعير'' کی تفسیر کے ضمن میں اپنا رجحان جعالہ کے جواز کی طرف بتلایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: کہ آیت (ولمن جاء به حمل بعير) سے ثابت ہوا کہ کسی معین کام کے کرنے پر کوئی اجرت یا انعام مقرر کر کے اعلان عام کر دینا کہ جو شخص یہ کام کرے گا اس کو اس قدر انعام یا اجرت ملے گی جیسے اشتہاری مجرموں کے گرفتار کرنے پر یا گمشدہ چیزوں کی واپسی پر اس طرح کے انعامی اعلانات کا عام طور پر رواج ہے، اگر چہ اس صورتِ معاملہ پر فقہی اجارہ کی تعریف صادق نہیں آتی مگر اس آیت کی رو سے اس کا بھی جواز ثابت ہو گیا۔ (معارف القرآن: ۴/۴۰ سورۂ یوسف)

(۸) جہاں تک عقد میں عمل کی جہالت کی بات ہے تو دیگر فقہاء کرام نے بھی اس سے انکار نہیں کیا؛ لیکن ضرورت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا ہے، اور بظاہر حاجت الناس کی بناء پر پائے جانے والے اس غرر کو برداشت کرنے میں کوئی مانع نظر نہیں آتا خصوصاً جبکہ باہمی نزاع کا باعث نہ بنے، اس لیے کہ حنفیہ کے یہاں بھی یہ بات مسلم ہے کہ جہالت فی نفسہ عدم جواز کا سبب نہیں بلکہ اس کی وجہ سے عقد اس وقت ناجائز ہوتا ہے جبکہ وہ باہمی نزاع کا باعث بنے۔

الحاصل : أن الجهالة اليسيرة عفو فی ماجری به التعامل لکونها لاتفضی الی النزاع عادة۔(اعلاء السن:٦ ١ /٩ ٠ ٢)

(ماخوذ: مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ص:۱۲۶)

عقد جعالہ کی جدید صورتیں:

(۱) عقد جعالہ کی قدیم شکلیں بہت سادہ تھیں جس کے احکام تفصیلی طور پر ملتے ہیں؛ لیکن موجودہ دور میں اس کی متعدد نئی شکلیں وجود میں آ گئی ہیں، جن میں کچھ شکلیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) معدنیات نکالنے پر جعالہ

آج کل سائنسی ترقیات کی بدولت نئے نئے مقامات پر معدنیات نکالنے کی تلاش جاری ہے، خصوصی طور پر تیل، گیس اس میں قابل ذکر ہیں؛ حکومتیں بھی اس کام کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، جس کے سبب اس کام کے لیے مستقل کمپنیاں وجود میں آئی ہیں، چنانچہ حکومتیں یہ اعلان کرتی ہے کہ جو کمپنی کسی جگہ سے تیل دریافت کرے گی تو اسے اتنا انعام دیا جائے گا؛ عام طور پر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حاصل ہونے والے تیل کی مخصوص فیصد آمدنی کمپنی کو ملتی ہے اور باقی آمدنی حکومت کے خزانے میں جاتی ہے۔

(۲) پانی نکالنے پر جعالہ

اسی طرح کچھ علاقوں میں پانی کی کمی ہوتی ہے جہاں پانی بہت گہرا ہوتا ہے یا پانی ملنے کے امکانات کم ہوتے ہیں تو بعض مرتبہ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جو کمپنی

یہاں سے پانی نکال لائے گی اسے اتنا انعام دیا جائے گا۔

(۳) قرضہ کی وصولی پر جعالہ

اسی طرح قرضہ کی وصول یابی پر بھی جعالہ ہوتا ہے، مثلاً کوئی ادارہ قرضہ کی وصولی میں ماہر ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ قرضہ کی وصولی پر جعالہ کا معاملہ کرلیا جاتا ہے کہ قرضہ وصول ہونے کی صورت میں اتنا فیصد آپ کا ہوگا۔

(۴) مجرم کی گرفتاری پر جعالہ

حکومتیں بسا اوقات فرار مجرموں کے نام کا اشتہار چھپواتی ہے، اور ان کی تلاشی پر ایک معقول مقدار انعام بھی طے کرتی ہے، کہ جو فلاں مجرم کو ہمارے حوالے کردیگا اسے اتنا انعام دیا جائے گا۔

(۵) گم شدہ افراد کی تلاشی پر جعالہ

بسا اوقات کوئی شخص کسی معاشرہ یا خاندان کا کسی ناگہانی آفت کے سبب گم ہوجاتا ہے یا کسی کے ہاتھوں اغوا کرلیا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی اس کے اہل خانہ اور برادری کے لوگ اسے تلاش کرلانے پر ایک معقول انعام کا اعلان کرتے ہیں، جیسا کہ کوئی فلاں شخص کو تلاش کر کے ہمارے پاس لے آئے اسے اتنا انعام دیا جائے گا۔

(۶) عمدہ ڈیزائن اور مونوگراف تیار کرنے پر جعالہ

بسا اوقات کوئی کمپنی عمدہ ڈیزائن یا مونوگراف یا پینٹنگ کے متعلق ایک

معقول مقدار میں وقت کی تحدید کے ساتھ انعام کا اعلان کرتی ہے مثلا: جو شخص فلاں صفت اور فلاں طرح کی ڈیزائن یا پینٹنگ وغیرہ اتنی مدت میں بنا کردے گا اسے اتنا انعام دیا جائے گا۔

''المعايير الشرعية''میں جعالہ کی چند جدید شکلوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

العمل المحقق للنتيجة :

من صور الأعمال المتعاقد عليها في الجعالة ما يأتي:

(١) مايراد بالتعاقد عليه استحداث نتيجة، مثل استخراج المعادن .

(٢) إخبار فيه غرض الجاعل مثل تقدير او دراسة عن معلومات مؤثرة أو إنجاز أعمال علمية تحقق نتائج ولا يتحدد مقدار العمل فيها.

(٣) مايراد بالتعاقد عليه رد شئ مفقود وإعادته لناشده

(المعاييرالشرعية : ٢٥٩)

جعالہ کی جدید صورتوں میں بطورِ اجرت جزءِ عمل کی تعیین

مذکورہ جعالہ کی جدید صورتوں میں سے بعض میں بطور اجرت 'جزء عمل' کو طے کرنا پایا جاتا ہے، جو حدیث کی رو سے ممنوع ہے، جیسا کہ تیل یا گیس کی مخصوص آمدنی یا قرضوں کی وصول یابی میں فیصد کے اعتبار سے اجرت طے کرنا؛ تو کیا اجارہ پر قیاس کرتے ہوئے جعالہ میں بھی بطورِ اجرت جزءِ عمل کی تعیین ناجائز ہوگی یا جائز؟ اور اگر جائز ہے تو اس کے جواز کی کیا بنیاد ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے ان صورتوں کے جواز کی متعدد

وجوہات ہیں؛ جومختصراً حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) جعالہ اوراجارہ میں ایک گونا مشابہت تو ہے، لیکن مکمل طور پر جعالہ اجارہ میں شامل نہیں؛ کیوں کہ اجارہ میں کام کرنے والے کا تعلق ''محل عقد'' سے ہوتا ہے، جبکہ جعالہ میں ''نتیجہ عمل'' سے ہوتا ہے۔

جیسا کہ ایک آدمی کے ساتھ چوکیداری پر اجارہ کا معاملہ ہوا ہواور وہ شخص متعینہ مدت میں اپنے مفوضہ عمل کو پورا کرتا ہے تو وہ اجرت کا مستحق ہوگا کیوں کہ اس نے متعینہ مدت میں اپنے عمل کو پورا کردیا۔

لیکن کسی شخص نے یہ اعلان کیا کہ میری فلاں چیز گم ہوگئی ہے جو اسے ڈھونڈ لائے گا اسے اتنی اجرت (جعل) ملے گا ،اب چاہے وہ اپنا پورا وقت اسے ڈھونڈنے میں صرف کردے جب تک چیز نہیں ملے گی وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا کیوں کہ یہاں اجرت کا تعلق ''نتیجہ ٔعمل'' سے ہے، لہٰذا جب جعالہ پوری طرح اجارہ کے مشابہ نہیں تو اجارہ کا یہ حکم جعالہ پر منطبق کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

(۲) اجارہ میں عامل کی اجرت اس کے 'جزءعمل' کو طے کیا جاوے تو یہ از روئے حدیث ممنوع ہے، بایں معنی کہ بالفرض گندم پیسنے کی اجرت پسے ہوئے گندم کا ایک حصہ متعین کیا جاوے اور وہ ضائع ہو جائے تو فقہی اعتبار سے عامل اپنی اجرت سے محروم ہوگا گویا کہ اس طرح اجرت متعین کرنے میں غرر ہے اور اجرت غیر مقدور التسلیم ٹھہرتی ہے، لیکن جعالہ میں اس طرح اجرت متعین کرنے میں کوئی خرابی نہیں؛ کیوں کہ اجرت 'جزءعمل' کو نہیں بلکہ 'نتیجہ عمل' کو متعین کیا جاتا ہے، لہٰذا جب عامل 'نتیجۂ عمل' مالک کے حوالہ کرے گا تو اس پر اعلان کردہ انعام

واجب ہو جائے گا، اور اس وقت نہ تو غرر ہے اور نہ ہی اجرت غیر مقدور التسلیم ٹھہرے گی۔

(۳) بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جعالہ کی جدید شکلیں 'قفیز الطحان' کی طرح ہے تو اس کے متعلق یوں کہا جا سکتا ہے، کہ عرف کی وجہ سے یہ جائز ہے جیسا کہ مشائخ بلخ نے 'قفیز الطحان' کے علاوہ صورتوں میں اس طرح توجیہ پیش کی ہے کہ عرف کی وجہ سے حدیثِ 'قفیز الطحان' کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا؛ البتہ عرف کی وجہ سے تخصیص پیدا کرتے ہوئے مابقیہ صورتوں کے لیے جواز پیدا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

(قال) فی الذخیرة فی الفصل الثامن من " الإجارات" فی مسئلة ما لو دفع إلی حائك غزلا لینسجه بالثلث و مشائخ بلخ کنصیر بن یحیی و محمد بن سلمه، وغیرهما کانوا یجیزون هذه الإجارة فی الثیاب لتعامل أهل بلدهم فی الثیاب والتعامل حجة یترك به القیاس، ویخص به الأثر وتجویز هذه الإجارة فی الثیاب للتعامل، بمعنی تخصیص النص الذی ورد فی قفیز الطحان لأن النص ورد فی قفیز الطحان لا فی الحائك إلا أن الحائك نظیره فیکون واردا فیه دلالة فمتی ترکنا العمل بدلالة هذا النص فی الحائك عملنا بالنص فی قفیز الطحان کان تخصیصا لاترکاً أصلاً وتخصیص النص بالتعامل جائز. (شرح العقود رسم الفتی: ۱۸۳)

فإن العرف العام یصلح مخصصًا کما مر عن التحریر ویترك به

القیاس کما صرحوا بہ فی مسئلة الاستصناع ودخول الحمام والشرب من السقا. (مجموعه رسائل ابن عابدین: ۱/۱۱٤)

(اس بحث کے زیادہ تر حصے مالی معاملات پر غرر کے اثرات، مصنفہ: مولانا اعجاز صمدانی، سے ماخوذ ہیں)

صحتِ جعالہ کی شرائط:

جعالہ کی صحت کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) شافعیہ وحنابلہ کے یہاں جاعل کا عاقل، بالغ، سمجھدار ہونا ضروری ہے، جبکہ احناف ومالکیہ کے یہاں صبی ممیّز بھی کافی ہے۔

(۲) جعل: (اجرت) کا مال متعین ہونا ضروری ہے، علی الاقل ایسی تعیین ضروری ہے جو مفضی اِلی النزاع نہ ہو۔

(۳) منفعت حقیقی طور پر معلوم ومتعین ہو اور شرعًا قابل انتفاع ہو۔

(۴) مالکیہ کے یہاں ایک اور شرط یہ بھی ہے کہ جعالہ کے لیے کوئی مدت نہ ہو، جبکہ دوسروں کے یہاں مدت اور عمل کی تحدید کے ساتھ بھی درست ہے۔

أولا: أهلية التعاقد، يشترط عند الشافعية والحنابلة فی الجاعل..... أن يكون مطلق التصرف (بالغًا ،عاقلًا، رشيدًا) وتصح الجعالة عند المالكية والحنفية من المميز.

ثانيًا: كون الجعل (أؤ الأجرة) مالًا معلومًا .

ثالثًا: أن تكون المنفعة معلومة حقيقة مباحة الانتفاع بها شرعًا۔

رابعًا: اشترط المالكية ألا يحدد للجعالة أجل وقال غيرهم يصح الجمع بين تقدير المدة والعمل.(الفقه الاسلامی: ٤/ ٥٨٢)

اجارہ اور جعالہ کے درمیان فرق

(۱) اجارہ میں مستأجر کا فائدہ اجیر کے عمل سے وابستہ ہوتا ہے اسی واسطے وہ جتنا عمل کرے گا اس کے بقدر اجرت کا وجوب اور استحقاق ہو جاتا ہے، جبکہ جعالہ میں اجرت کا تعلق اتمام عمل سے ہوتا ہے، یعنی جب تک جاعل کام پورا نہ کرے وہاں تک اس کی اجرت کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا۔

لاتتحق المنفعة للمالك فى الجعالة إلا بتمام العمل، أما فى الإجارة فتتحق المنفعة للمستاجر بجزء من العمل و بناء عليه لايستحق العامل فى الجعالة شيئاً إلا بتمام العمل ، و إذا عمل الاجير فى الإجارة بعض العمل استحق من الأجر بحساب (أو مقدار) ماعمل۔(الفقه الاسلامى: ٤ / ٥٨١)

(۲) جعالہ میں عمل اور مدت کی جہالت برداشت کر لی جاتی ہے، جبکہ اجارہ میں عمل اور مدت کا متعین ہونا ضروری ہوتا ہے۔

وتجوز (فى الجعالة) جهالة العمل والمدة بخلاف الإجارة فالعمل فى الجعالة قد يكون معلومًا أو مجهولاً غير معلوم كرد بهيمة ضالة و حفر بئر حتى يخرج منها الماء و كما تصح الجعالة على عمل مجهول أو معلوم تصح جهالة المدة أما الإجارة فلا بد من أن يكون العمل فيها معلومًا كالخياطة والبناء والمدة معلومة. (الفقه الاسلامى : ٤ / ٥٨١)

(۳) اجارہ میں پیشگی اجرت کی شرط لگانا درست ہے، جبکہ جعالہ میں اس

طرح کی گنجائش نہیں۔

لایجوز اشتراط تقدیم الأجرة فی الجعالة بخلاف الإجارة . (الفقه الاسلامی : ٤/ ٥٨١)

(۴) جعالہ غیر لازم عقد ہے، یعنی جاعل کے لیے کام کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، اوراجارہ لازمی عقد ہے اس میں حسبِ عقد مستأجر اپنے مفوضہ عمل کی تکمیل کا پابند ہوتا ہے۔

الجعالة عقد جائز غیر لازم فیجوز فسخه بخلاف الإجارة فإنها عقد لازم لایفسخ. (الفقه الاسلامی :٤/ ٥٨١)

عقد مقاولہ (ٹھیکیداری)

مقاولہ: یہ اجارۃ الصنائع کے قبیل سے ہے، جس میں متعاقدین میں سے ایک فریق دوسرے فریق کی فرمائش کے مطابق کوئی چیز بنانے یا کام کرنے کا وعدہ کرتا ہے، جو دوسرے پر لازم ہوتا ہے۔

شیخ عبدالرزاق السنہوری نے اپنی کتاب ''الوسیط'' میں اس کی یوں تعریف کی ہے:

المقاولة : عقد یتعهد بمقتضاه أحد المتعاقدین أن یصنع شیئاً أو أن یؤدی عملًا لقاء أجر یتعهد به المتعاقد الآخر (الوسیط :٧/ ٥)

مروجہ ٹھیکیداری میں کبھی تو تمام ساز وسامان مالک کی طرف سے ہوتا ہے، یہ صورت شرعی اعتبار سے اجارہ کی بنتی ہے، نیز کبھی تمام ساز وسامان کام کرنے

والے کا ہوتا ہے، شرعی اعتبار سے یہ استصناع کی شکل بنتی ہے۔

والاستصناع أن تكون العين والعمل من الصانع فأما إذا كانت العين من المستصنع لامن الصانع فإنه يكون إجارة ولايكون استصناعًا كذافى المحيط۔(هنديه: ٤/ ٧١٨)

اوراگر معاملہ غیر یقینی چیز کے حاصل کرنے پر ہوتو یہ صورت جعالہ کی بنتی ہے مثلاً ویزا لگوانا، کسی چیز کا لائسنس دلوادینا وغیرہ۔

الجعالة يلتزم فيه أحد طرفيه (وهو الجاعل) بتقديم عوض معلوم وهو الجعل لمن يحقق نتيجة معينة فى زمن معلوم أو مجهول وهو العامل۔(المعايير الشرعية : ٥٥٨)

صحت مقاولہ کی شرائط

عقد مقاولہ چونکہ شرعی اعتبار سے اجارہ کے حکم میں ہے لہٰذا اس میں تمام شرائط اجارہ کا پایا جانا ضروری ہوگا جس میں سے بنیادی شرائط درج ذیل ہیں۔

(۱) کام فی نفسہ حلال اور جائز ہو۔

(۲) ٹھیکیداری کا کام اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ متعین ہو؛ مثلاً وقت کی تعیین، نیز ساز وسامان کے ساتھ ٹھیکہ ہے تو سامان کی نوعیت اور مقدار متعین ہو جانی چاہئے۔

(۳) اجرت متعین ہو اور کب ادا کرنی ہے اور ادائیگی کا طریقۂ کار کیا ہوگا۔

(۴) کوئی ایسی شرط نہ لگائی جائے جو مقتضاء عقد کے خلاف ہو۔

مروجہ ٹھیکیداری سے متعلق چند امور کی وضاحت

ٹھیکداری کی کچھ مروجہ شکلیں اوران کے احکام آگے ذکر کریں گے، لیکن اس سے قبل چند ضروری امور کی وضاحت اورتنبیہات کا ذکرضروری ہے۔

(الف) عموماً سرکار جب کسی چیز کا (Contrect) باہر لاتی ہے تو جو بڑے ٹھیکیدار ہوتے ہیں وہ سرکار سے حسب شرائط ٹھیکیداری کا معاملہ متعین کر لیتے ہیں اوروہ (Contrect) میں سے اپنا نفع منہا کر کے دوسرے ٹھیکیدار کے حوالہ کردیتے ہیں، اور یہ بات عرفاً معلوم ومشہور ہے، نیز سرکاری اعتبار سے اس پرکوئی پابندی نہیں،شرعی اعتبار سے بھی معاملہ درست ہو جاتا ہے،لیکن اس وقت ہوتا ہے جب حسب شرائط کام تکمیل کو پہنچے۔

مگراس میں بگاڑ یہ ہے کہ بجٹ میں طے شدہ سامان نہیں لگایا جاتا بلکہ گھٹیا سامان لگا دیا جاتا ہے اورسرکاری افسران سے تصدیق کرالی جاتی ہے، جوشرعاً ناجائزاورخیانت ہے،بہرصورت کام حسب شرائط کرنا ضروری ہوگا۔

عن كثير بن عبد الله عن أبيه عن جده رضى الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال : المسلمون على شروطهم ---الخ (سنن ترمذی : ۱/ ۲۵۱)

عن ابن مسعود رضى الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ من غش ليس منا ، وإن أطلق له أن يستأجره وغيره قال العلامة الشبلى : لأن المطلق ينصرف إلى المعتاد والمتعارف فيما لم يشترط والصناع يعملون فى العادات بانفسهم وبأجرائهم فكان له أن يعمل بنفسه

و بأجيره (تبيين الحقائق مع حاشية الشبلي : ٦ / ٩١)

ادارة المباحث الفقہیہ کے گیارہویں فقہی اجتماع میں اس مسئلہ سے متعلق جو تجویز پاس ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

سرکاری ٹینڈروں کی منظوری کے لیے متعلقہ افسران کا کمیشن لینا بلاشبہ رشوت ہے۔

اور ٹینڈر بھرنے والوں کے لیے اس کا عام حالات میں بھی دینا جائز نہیں البتہ اگر اس کے بغیر کام نہ چلے تو دینے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ ٹینڈر کی شرائط کے مطابق سامان وغیرہ بھی لگایا جائے۔ (فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے و تجاویز:۱۰۵)

(ب) عموماً ٹھیکیداری میں غیر مسلم و عیسائی مذہبی عبادت گاہیں بنانے کا بھی معاملہ طے کیا جاتا ہے، شرعی اعتبار سے غیر مسلم کے مکانات، دوکانات اور ان کی مذہبی تعمیرات کی اجازت ہے، لیکن قابل لحاظ پہلو یہ ہے کہ اس میں مذہبی مجسمہ اور ان کی ڈیزائن وغیرہ نہ ہو، اسی پہلو کی رعایت کے ساتھ مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ اور مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے اس مروجہ ٹھیکیدار کی اجازت دی ہے۔ (فتاوی قاسمیہ:۲/۵۷۵، احسن الفتاوی:۷/۳۰۹)

(وجاز تعمير كنيسة) وفي الشامية: قال في الخانية ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لابأس به لأنه لا معصية في عين العمل۔(شامي : ٩/ ٥٦٢)

ولواستأجر الذمي مسلما ليبني له بيعة أو كنيسة جاز ويطيب له

الأجر(هنديه: ٤/ ١ ٢ ٦٢)

ولـو استـأجـر رجلا ينحت له أصناما أو يجعل على أثوابه تماثيل – و الصبغ من رب الثوب– لا شئ له كذا في الخلاصة (هنديه : ٤ ١ ٢ ٦٢)

(ج) کسی تعمیر مثلاً دکان، اسکول وغیرہ کی اصلاح ومرمت کا ٹھیکہ لیا جاتا ہے، اس شکل میں ٹھیکیدار کے لیے ضروری سامان کبھی مالک خود فراہم کرتا ہے، البتہ کچھ چھوٹی موٹی چیز کی فوری طور پر ضرورت پڑ جائے تو ٹھیکیدار اسے لگا دیتا ہے، کبھی کل سامان ٹھیکیدار ہی کا ہوتا ہے، ٹھیکیدار کو دونوں صورتوں میں جب سامان خریدنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو کسی متعینہ فرم یا دکان سے خریدیں تو یہ سامان بازاری قیمت سے کم میں دستیاب ہوجاتا ہے اوراس کا فائدہ ٹھیکیدار بھی ملتا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو: فوری طور پر ضرورت کے وقت جو سامان خریدا جاتا ہے اس میں عموماً مالک کے پاس سے ہی قیمت لیکر یا مالک کی نیابت میں ہی خریدا جاتا ہے، اس صورت میں ٹھیکیدار مالک کا وکیل بنتا ہے اور وکیل امین ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے یہ زائد نفع لینا جائز نہ ہوگا اور امانت میں خیانت سمجھی جائے گی؛ لیکن جب کل سامان ٹھیکیدار کے ذمہ ہوتو اس میں یہ نفع ٹھیکیدار کے لیے لینا جائز ہوگا۔ حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دمت برکاتہم نے اس صورت میں یہی توجیہ پیش فرمائی ہے۔ (فتاوی قاسمیہ:۲۱/۲۶۱)

عـن أبـي هـريرةؓ عن النبي ﷺ قال آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب و اذ وعدأخلف و اذاائتمن خان۔(بخاری : ۱/ ۱۰)

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیت علماء ہند کے گیارہوں فقہی اجتماع میں زیر

بحث آئے موضوع ''کمیشن اور اسکی مروجہ شکلوں'' کے متعلق جو تجاویز ہمارے اس مسئلہ سے متعلق ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(د) کارپینٹر اور پلمبر وغیرہ (اجیر مشترک) اگر سامان سمیت کام کرنے کا ٹھیکہ لیتے ہیں اور خود ہی دکاندار سے سامان خرید کر لگاتے ہیں تو اس صورت میں دکاندار انہیں جو کمیشن دے گا، اسے لینے کی گنجائش ہے، کیوں کہ یہ خود اپنے لیے خریداری کر رہے ہیں، اور مستأجر کے وکیل نہیں ہیں۔

اور اگر کارپینٹر وغیرہ صرف کام کرنے کے اجیر ہوں، سامان اس کے ذمہ نہ ہو اور مالک خود سامان خرید کر دے تو اس صورت میں اجیر کے لیے دکاندار سے کمیشن لینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں اجیر کا کوئی عمل نہیں پایا گیا۔

اگر اجیر مشترک نے صرف کام کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور سامان اس کے ذمہ نہیں ہے تو دکان سے سامان لانے پر اس اجیر کے لیے بطور جعالہ کمیشن لینے کی گنجائش ہے۔

(ا) نہر، تالاب، ندی وغیرہ کی ٹھیکیداری یا کرایہ داری خلاف قیاس جواز کے دلائل :

نہر، تالاب اور ندی کو مچھلیوں کے شکار وغیرہ کی غرض سے اجارہ پر لینے کے جواز اور عدم جواز میں حکم کا مدار اس بات پر ہے کہ اس پر اجارہ کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟ اجارہ میں محلِ عقد منفعت ہوتی ہے، اور مستأجر فقط منفعت کا مالک بنتا ہے، اعیان کا مالک نہیں بنتا، جب کہ نہر وغیرہ کے اجارہ میں مستأجر

وہاں سے مچھلیوں کا شکار کر کے اس کا مالک بنتا ہے، اور اس کو کھاتا ہے، یا فروخت کرتا ہے، یہ ملکِ عین اور استھلاکِ عین ہے، اور اجارہ استھلاکِ عین کے لیے نہیں ہوتا، اس لیے یہ اجارہ درست نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ جہاں جہاں فقہاءِ احناف نے عدم جواز کا حکم لکھا ہے، اس کی وجہ یہی امر ہے، البتہ تمام فقہاء نے عموم بلوی کے پیش نظر جن صورتوں میں استھلاکِ عین تبعًا ہو؛ ایسے اجارہ کی اجازت دی ہے، پس اس صورت میں بھی اصلاً عقد اجارہ کا محل تالاب اور نہر کی زمین قرار دی جائے اور اِجارۃ الارض کے ضمن میں پانی اور پانی میں موجود مچھلیوں کا استعمال یعنی ''استھلاک عین'' کی اجازت دی جائے، تو یہ معاملہ بھی درست ہوسکتا ہے۔ چنانچہ متعدد مسائل میں اس طرح تبعاً استہلاک عین کو گوارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً مرضعہ کو دودھ پلانے کی غرض سے اجرت پر رکھنا؛ اس میں بھی دراصل دودھ کا استھلاک پایا جاتا ہے، لیکن اسے بھی عموم بلوی کی وجہ سے برداشت کرلیا گیا ہے۔

(والظئر بأجر معين) لتعامل الناس وفي الشامية تحت قوله "لتعامل الناس" علة للجواز وهذا استحسان لأنها ترد على استهلاك العين وهو اللبن۔ (در مع الشامي : ۹/ ۷۲)

حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک فتوے کے جواب میں بہت سی ایسی مثالیں پیش کی ہیں جس میں استہلاک عین پایا جاتا ہے، اس کے باوجود اجارہ تعامل ناس اور ضرورت کے پیش نظر جائز رکھا گیا۔ حضرت کا فتوی درج ذیل ہے:

سوال: نهى عن صفقة في صفقة کے ظاہری معنی کے لحاظ سے بعض امور ناجائز معلوم ہوتے ہیں حالانکہ بکثرت خاص وعام میں شائع ہیں، مثلا: گھڑی

کی مرمت کہ ٹوٹے ہوئے پرزے کو نکال کر صحیح پرزے لگادے گا تو اس پرزے کی تو بیع ہے اور لگانے کا اجارہ۔

(۲) چارپائی بنوانا، اور بان اپنے پاس سے نہ دینا، اس میں بان کی بیع ہے، اور بننے کا اجارہ۔

(۳) سقہ سے پانی لینا کہ جب اس نے کنوئیں سے پانی نکال کر اپنے ظروف میں لیا تو اس کی ملک ہوگیا، سو پانی کی بیع ہوئی اور وہاں سے لانے کا اجارہ نیز ''بیع مالیس عندہ'' بھی ہے۔

(۴) کوئی زیور یا انگوٹھی جڑنے کو دینا، یہ نگینوں کی بیع ہے اور لگانے کا اجارہ وغیرہ۔ ذلک من المعاملات الرابجۃ؟

جواب: تعامل کی وجہ سے کہ بلانکیر شائع ہے جو ایک نوع کا اجماع ہے، یہ سب معاملات جائز ہیں، پس نص عام مخصوص البعض ہے، جیسا فقہاء نے صباغی وخیاطی میں اس کی اجازت دی ہے کہ صبغ اور خیط صانع کا ہوتا ہے اور اس میں اجارہ بھی ہوتا۔ وھذا ظاھر جدا۔ **فقط واللہ اعلم**

والتعامل حجة يترك به القياس، ويخص به الأثر۔(عقود رسم المفتی: ۹۸)

لو دفع إلى حائك غزلا على أن ينسجه بالثلث قال: ومشايخ بلخ كنصير بن يحيى ومحمد بن سلمة وغيرهما كانوا يجيزون هذه الإجارة فى الثياب لتعامل أهل بلدهم، والتعامل حجة يترك به القياس، ويخص به الأثر، وتجويز هذه الإجارة فى الثياب للتعامل

بمعنی تخصیص النص الذی ورد فی قفیز الطحان لا فی الحائك إلا أن الحائك نظیره (نشر العرف فی رسائل ابن عابدین : ١١٦/٢)

قد اتفق مشایخنا فی هذا الزمان فجعلوه بیعا جائزا مفیدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض وهو البیع لحاجة الناس الیه ولتعاملهم فیه، والقواعد قد تترك بالتعامل، وجوز الاستصناع لذلك ، و قال صاحب النهایة، وعلیه الفتوی ـ تبیین الحقائق : ٥/ ١٨٤)

(امدادالفتاوی جدید: ۳۷۹/۶۔۳۸۰)

تالاب کی بیع یا اجارہ

تالاب اگر کسی کی ذاتی ملکیت ہے، یعنی کسی نے اپنی ذاتی زمین میں تالاب بنایا ہے تو اس میں جمع شدہ پانی اور مچھلیوں پر اس کا حق مقدم ہے، وہ دوسروں کو اپنی زمین یعنی تالاب پر آنے سے روک سکتا ہے۔

اس تالاب میں موجودہ پانی گرچہ بارش کا ہو، مگر اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے، اس لیے اس کو اس پانی کا مالک سمجھا جائے گا۔ تالاب کی مچھلیاں اگر خود بخود پیدا ہوتی ہیں تو یہ مملوکہ زمین میں اگنے والی خودرد گھانس کی طرح ہیں۔ وہ مباح ہوگی، البتہ تالاب کی زمین اور احاطہ اس کی ملکیت ہے، اس لیے دوسروں کو اس پر آنے سے روک سکتا ہے۔

اور اگر مچھلیوں کی مستقل کاشت کی جاتی ہے، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے، تو پھر یہ مچھلیاں بھی مملوک ہوں گی اور مباح نہ سمجھی جائے گی، اور دوسروں کو اس کے شکار سے منع کرنے کا حق ہوگا، جیسا کہ زمین کی کاشت میں ہوتا ہے۔

بہر حال جب تالاب ذاتی ملکیت ہے تو اس کو کرایہ پر دینا درست ہے، البتہ اس سے انتفاع میں استہلاک عین ہے، یعنی پانی اور مچھلی کا استعمال، جب کہ اجارہ منفعت کے لیے ہوتا ہے؛ لیکن فقہاء کرام نے متعدد صورتوں میں اجارہ کے ضمن میں تبعًا استہلاک عین کو عموم بلوی کی وجہ سے درست قرار دیا ہے۔

اور اگر تالاب شخصی ملک نہیں ؛ بلکہ عوامی ہے، تو عوامی زمین اور منافع کا گر چہ کوئی مالک نہیں ہوتا، مگر موجودہ قوانین کے اعتبار سے ایسی سب عوامی چیزیں اور زمین سرکاری ملک یا سرکاری ولایت میں سمجھی جاتی ہے، سرکار کی پابندی نہ ہو وہاں تک لوگ استعمال کر سکتے ہیں اور سرکار چاہے تب اسے فروخت کر دیتی ہے، یا کرایہ پر دے سکتی ہے۔

موجودہ عرف اور سرکاری قانون کو مدنظر رکھا جائے تو ایسے عوامی تالاب کا حکم بھی اوپر مذکور شخصی تالاب کی طرح ہوگا۔

سرکار سے کرایہ پر لینے کے بعد کرایہ دار دوسروں کو اس پر آنے سے منع کر سکتا ہے اور مچھلیاں کاشت کی گئی ہو تو وہ بھی اس کی مملوک ہوں گی۔

بندے کے خیال میں قدیم زمانہ کا عرف وقانون الگ تھا، جس میں اس طرح کی عوامی جگہوں کو مباح الاصل سمجھا جاتا تھا، اور حکومت بھی اسکی مالک نہیں سمجھی جاتی تھی، آج کل کے قوانین میں یا تو پورے ملک کی زمین اوّلاً سرکار کی ملک سمجھی جاتی ہے، اور ثانیاً مالکین کی ملک سمجھی جاتی ہے، یا پورے ملک کی زمین سرکاری ولایت اور تصرف میں سمجھی جاتی ہے، اور شخصی طور پر غیر مملوک زمین سیدھے طور پر سرکاری ملک سمجھی جاتی ہیں۔

ندی کی بیع یا اجارہ

ندی میں بظاہر شخصی ملکیت کا تصور درست نہیں، وہ موجودہ قوانین اورعرف کے اعتبار سے سرکاری ہی ہوگی، ہاں نہر سرکاری اور شخصی دونوں طرح ہوسکتی ہے، بایں طور کہ کسی شخص نے ندی سے اپنے کھیت تک پانی لانے کے لیے اپنی مملوکہ زمین میں نہر کھودی ہو، اور نہر میں مستعمل ہونے والی زمین ندی سے اپنی زمین تک خرید لی ہو یا کرایہ پر لی ہو۔

پس کسی ندی یا نہر کو کرایہ پر لینے سے اسکی زمین کا کرایہ تو درست ہو جائے گا مگر چوں کہ پانی اور مچھلیاں تو آگے سے بہتے ہوئے آتے ہیں، اس لیے وہ کرایہ دار کے تصرف اور ملکیت میں داخل نہ ہوگی، کیوں کہ عقد اجارہ کے وقت یہ پانی اور مچھلیاں موجود نہ تھی۔

لہٰذا زمین کا بطور کرایہ دار قبضہ ہونے کے باوجود ندی اور نہر کا پانی اور اس کی مچھلیاں مباح الاصل ہونی چاہئے، اور ندی اور نہر کا کرایہ دار جب تک کسی طرح اس کو اپنے قبضہ میں نہ کرلے، اس کا مالک نہ ہوگا۔ اور کوئی صورت اس کے مالک بننے کی اختیار کرے تو مالک بن جائے گا۔

پھر مچھلیوں کا مالک بننے کے بعد شکار سے قبل اس کی بیع ہوگی یہ بیع کا مسئلہ ہے، اس کی تفصیلی بحث ''انوار رحمت'' ص:۲۸۳-۳۰۲ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اس طرح اجارہ صحیح قرار دینے کے بعد بھی چوں کہ تالاب اور نہر میں از خود پیدا ہونے والی یا داخل ہونے والی مچھلیوں اور پانی پر کرایہ دار کی ملکیت اس وقت

تک ثابت نہیں ہوتی جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے، کیوں کہ وہ اجارہ میں داخل نہیں اوراس کا حکم مملوکہ زمین میں اگنے والی خودرو گھانس کی طرح ہے،اس لیے دوسروں کوتالاب اورنہر پرآنے سے روکنے کے لیے تالاب اورنہر کے اطراف و کناروں کوبھی گھانس چرانے وغیرہ کے لیے کرایہ پر لے لیا جائے تو اس کی وجہ سے دوسروں کو اس پر آنے سے روکا جائے گا اور اس طرح پانی اور مچھلیوں کا استعمال (استھلاک عین) کے تبعاً ہونے اوراصل عقد 'اِجارۃ الارض' ہونے کی صورت مزید واضح اورقوی ہوجائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ درج ذیل کوئی ایک صورت اختیار کرے، تاکہ پانی کا استعمال اورمچھلیوں کا شکار بھی ازروئے شرع صحیح ہوجائے۔

(۱) یہ شخص یاتو ندی اورنہر کے کنارے پرکوئی آڑ کردے،تاکہ کوئی اس کی کرایہ کی زمین میں نہ آسکے اورشکار بھی نہ کرسکے اورخود مچھلیوں کا شکار کرتا رہے۔

(۲) یا ندی کے ساتھ کناروں کا حصہ بھی کرایہ پر لے لے،تاکہ دوسروں کو کنارے پرآنے سے بھی روکا جاسکے،تاکہ لوگ کنارے پر بیٹھ کر شکار نہ کرسکے۔

(۳) کرایہ پر لی ہوئی ندی یا نہر سے جب مچھلیوں کا شکار کرنا چاہے تو دونوں طرف جال ڈال دے، اس طرح جو کچھ اس جال کے مابین ہوگا اس پر 'اسبقیت ید' کے اعتبار سے اس کا حق ہوجائے گا اور وہ مچھلیاں اس کی ملکیت سمجھی جائیں گی، جال نکالنے یا آڑ دور کرنے کے بعد بھی نہر اورندی کی زمین کے کرایہ دار کے طور پر دوسروں کواس پر آنے سے منع کرسکتا ہے،مگر پانی اور مچھلیاں مباح الاصل رہے گی، اس لیے اس پر اپنا حق ثابت کرنے کے لیے دونوں طرف آڑ کرنا،

جال ڈالنا یا کم سے کم آخری کنارے پر مچھلیوں کے نکلنے سے روکنے کی کوئی تدبیر کرنا ضروری ہوگا۔

ولا يجوز إجارة الآجام والأنهار لصيد السمك ولا لغيره لأن المقصود استحقاق العين ولأن السمك صيد مباح فكل من أخذه فهو أحق به. (مبسوط : ١٦/ ٣٣)

والثانی : ماء الأودية العظام كجيحون وسيحون و دجلة و الفرات للناس فيه حق الشفه على الاطلاق، وحق سقى الأراضى بأن أحيىٰ واحد أرضا ميتة وكرى منها نهرا ليسقيهاإن كان لا يضر بالعامة ولايكون النهر فى ملك أحد لأنها مباحة فى الأصل إذ قهر الماء يدفع قهر غيره۔(هدايه ٤/ ٤٨٤)

وجازإجارة القناة والنهر مع الماء به يفتى لعموم البلوى ـــــوفى الشامية فلا تجوز استيجار الآجام والحياض لصيد السمك أو رفع القصب ـــ

والحيلة فى الكل :

أن يستأجر موضعا معلوما لعطن الماشية. (شامى: ٩/ ٨٧)

ولا يجوز إجارة ماء فى نهر أو قناة أوبئر وإن استأجر النهر و القناة مع الماء لم يجز أيضا لأن فيه استهلاك العين أصلا.

والفتوى على الجواز لعموم البلوى.

ولواستأجر أرضا مع الماء تجوز تبعًا. (هنديه : ٤/ ٦٠٩)

ولاتجوز إجارة الآجام والأنهار للسمك وغيره---

والحيلة فی جوازها أن يستأجر موضعا من الأرض ليضرب فيها فسطاطا أو يجعله حظيرة لغنمه تصح الإجارة--- وله أن يمنع من يريد أن يدخل هذه الأرض۔(تاتارخانیه : ۱۵/ ۱٤۳)

عن أبی الزناد قال كتبت إلى عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی بحيرة يجتمع فيها السمك بأرض العراق أن يواجرها فكتب أن افعلوا--- فكتب عمر بن عبد العزيز يسأله عن بيع صيد الآجام ، فكتب إليه عمر أنه لابأس به--- لكن بعد مدة رأيت فی الإيضاح عدم جواز إجارته وفی منحة الخالق وما فی الايضاح بالقواعد الفقهية أليق. (البحر الرائق : ٦/ ۱۲۰)، (منحة الخالق : ٦/ ۱۲۰)

وما نقله فی كتاب الخراج عن عمر و عمر بن عبد العزيز من الجواز فيهما مقابل للمذهب ومباين له ولم يذكره أبويوسف فی كتاب الخراج على أنه هو المذهب بل على أنه مقابل له. (تقريرات رافعی : ۷/ ۱۳۹)

فلايصح إجارة الآجام والحياض لصيد السمك ورفع القصب و قطع أحطب أو لسقی أرضه أو غنمه و كذا إجارة المرعى

والحيلة فی الكل أن يستاجر موضعا معلوماً لعطن الماشية وسيح الماء والمرعى هكذا ذكره قاضی خان أيضا وقال لأن الإجارة ما وضعت لملك العين . (تقريرات رافعی : ۷/ ۱٤۰)

قال ابن عابدين : ما نبت أى من الكلأ فى أرض مملوكة بلاإنبات صاحبها حكمه كما سبق ، أى لا يمنع أحدا من الأخذ منه ولا رعى ماشيته فيه الا أن لرب الأرض المنع من الدخول فى أرضه.

(الموسوعة الفقهية الكويتيه : ۳۵ / ۱۰۷)

(۲) عقود البناء والتشغيل

(Build operate and Transfer) (BOT)

آج کل پلوں، ہوائی اڈوں اور عام راستوں کی تعمیر نیز پانی یا بجلی فراہم کرنے کے پلانٹ نصب کرنے اور آپسی بات چیت کا نیٹ ورک فراہم کرنے کا کانٹریک (contract) حکومت کی طرف سے مخصوص کمپنیوں اور اداروں کو دیا جاتا ہے۔

اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ کمپنی اور کسی ملک کے درمیان یہ معاہدہ طے پاتا ہے کہ کمپنی ملک میں حکومت کی زیر نگرانی عقد میں طے شدہ تعمیری پراجیکٹ یا دیگر منصوبوں کو متعینہ مدت میں پورا کردے گی۔

اس تعمیر میں کمپنی سرمایہ بھی خود لگاتی ہے اور اپنے ہی مزدور لگا کر کام کرتی ہے، اس کے معاوضہ کے طور پر حکومت اس تعمیر یا منصوبہ استعمال کرنے والوں سے مناسب کرایہ وصول کرنے کا اختیار متعینہ مدت تک اس کمپنی کو دیتی ہے جو حقیقتاً اس تعمیر یا منصوبہ کی اجرت ہوتی ہے، اور کمپنی کی لاگت اور اصل سرمایہ سے زائد ہوتی ہے۔

اس طرح کمپنی کو اپنے صرف کیئے ہوئے سرمایہ سے نفع حاصل کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے اور دوسری طرف حکومت کا سرمایہ اور محنت دونوں بچ جاتے ہیں اور نئی تعمیر یا پراجیکٹ وجود میں آجاتے ہیں۔

(BOT) کے بنیادی نکات

اس عقد کے بنیادی طور پر تین نکات ہیں:

(۱) جس زمین پر تعمیر ہورہی ہے وہ حکومت کی ملک ہے۔

(۲) کمپنی منصوبہ کی تکمیل وتعمیر کی غرض سے اسے استعمال کررہی ہے۔

(۳) کمپنی اس تعمیر کی تکمیل کے بعد اپنا نفع وصول کرکے حکومت کے حوالہ کردیتی ہے۔

(BOT) کی شرعی حیثیت

اس کی شرعی حیثیت پر غور کرتے ہیں تو دو احتمال سامنے آتے ہیں:

(۱) اجارہ: حکومت نے اپنی زمین متعینہ مدت کے لیے اس کمپنی کو اجارہ پر دی تاکہ کمپنی اس زمین پر اپنی تعمیر کرسکے اور اس تعمیر سے وہ متعینہ مدت میں فائدہ اٹھائے۔یعنی اس کے استعمال کرنے والوں سے کرایہ یا فیس وغیرہ وصول کرے گی۔جس کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ بعد از تکمیل تعمیر کمپنی کی زیر ملک رہے گی جس سے وہ متعینہ مدت تک اپنے منافع حاصل کرنے کی غرض سے استعمال کرے گی اور مدت کے اختتام پر یہ تعمیر حکومت کی ملک میں منتقل ہوجائے گی، اس حیثیت سے کمپنی مستأجر اور حکومت موجر ہوگی اور یہ تعمیر اس زمین کی اجرت اور کرایہ ہوگی۔

(۲) استصناع: حکومت کی مملوکہ زمین پر کمپنی کو ایک تعمیری منصوبہ بنانے کا آرڈر ملے اور کمپنی اس کو قبول کر لے۔ پھر حکومت کی طرف سے اس عقد استصناع کا ثمن اس طرح ادا کیا جائے کہ اس تعمیر کو حکومت کی ملک میں باقی رکھتے ہوئے کمپنی اس سے منافع حاصل کرے، اس حیثیت سے حکومت مستصنع اور کمپنی صانع بنتی ہے۔

ان دونوں تطبیق میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اگر حکومت عقد میں اس بات کی تصریح کر دے کہ منصوبہ کی تکمیل کے بعد کمپنی اس سے منفعت حاصل کرنے کے ساتھ اس کی مالک بھی بنے گی تو اس کا اجارہ کا پہلو طے ہو جائے گا؛ لیکن عقد میں ایسی کوئی تصریح نہیں پائی گئی بلکہ صرف حق استفادہ کمپنی کو دیا گیا تو اس پر استصناع کی تعریف منطبق ہوگی۔

تاہم دونوں تخریجسے متعلق کچھ فقہی تفصیلات ہیں جو ذیل میں درج ہیں:

(۱) پہلی تخریج: اجارۃ الارض۔

اس تخریج پر غور کیا جائے تو یہ اجارہ کے اصول پر منطبق نہیں ہوتی، اس لئے کہ اجارہ کی تطبیق کا مبنیٰ یہ ہے کہ حکومت نے اپنی زمین کمپنی 'مستأجر' کو اجارہ پر دی ہے۔ کمپنی تعمیر مکمل کر کے اپنے مطلوبہ منافع وصول کر کے متعینہ مدت کے بعد تعمیر حکومت کو حوالے کرے گی، اور یہی تعمیر کمپنی کی طرف سے حکومت کو دی جانے والی اجرت سمجھی جائے گی۔

چوں کہ احناف کے یہاں اجارہ شیئاً فشیئاً وجود میں آتا ہے یعنی روزمرہ کے استعمال پر منفعت کے حصول کے مقابل ثمن واجب ہوتا جاتا ہے، اس لحاظ

سے اگر دورانِ مدت کسی وجہ سے اجارہ فسخ ہو جائے ،تو فقط گذری ہوئی مدت کی اجرت واجب ہوگی، مابقیہ مدت کی اجرت واجب نہ ہوگی، چنانچہ اسی وجہ سے ضروری ہے کہ ایسے عقود میں 'اجرت' ایسی ہی چیز ہونی چاہیئے جو ایامِ اجارہ پر منقسم اور متجزی ہو سکتی ہو۔

ہمارے مسئلہ میں مذکورہ تعمیر ہی اجرت ہے اور یہ تعمیر مدتِ اجارہ کے ایام پر منقسم نہیں ہو پائے گی اس لئے کہ اجارہ تو زمین سپرد کر دینے ہی سے شروع ہو گیا ہے۔ بالفرض اگر یہ عقد تعمیر مکمل ہونے سے پہلے ہی فسخ ہو جائے تو گذرے ہوئے ایام کے لحاظ سے 'اجرت' یعنی تعمیر کو تقسیم کرنا دشوار امر ہے، ہو سکتا ہے کہ تعمیر بننا ہی شروع نہ ہو اور عقد فسخ ہو جائے۔ یا ربع مدت میں تعمیر مکمل ہو جائے اور عقد بھی فسخ ہو۔

<u>جواز کی شکل</u>: اجارہ کی بنیاد پر اس کے جواز کی شکل تو یہی ہے کہ ابتداءً زمین کی اجرت ''نقود'' میں طے کی جائے ،اور پھر اختتام مدت پر جب اجرت یعنی طے شدہ نقود ادا کرنے کا وقت آئے تو طرفین کی رضامندی سے نقود کے بجائے اس تعمیر کو نقود کے بدل کے طور پر قبول کر لیا جائے۔

لیکن اجارہ کے قاعدے کے مطابق ابتداءً ایسی شرط لگانا درست نہ ہوگا، نہ ہی یہ درست ہوگا کہ صلبِ عقد میں ایسی شرط لگا لی جائے کہ آخر عقد میں دونوں فریق اس طرح کرنے کے پابند ہوں گے۔

<u>(۲) دوسری تخریج: استصناع:</u>

کمپنی حکومت کے حکم پر مذکورہ تعمیر خود بنائے ،البتہ بعد از تکمیل کمپنی اس کی

مالک نہ بنے، اس کی ملکیت سرکار کی سمجھی جائے، اور متعینہ مدت تک کمپنی کو حقِ استفادہ حاصل رہے، اس حیثیت سے یہ استصناع ہے۔ اسے عقد استصناع ماننے میں چند امور قابل بحث ہیں۔

استصناع کی تخریج میں تین امور کی وضاحت:

(۱) استصناع کا ثمن منفعت بن سکتی ہے ؟

(۲) ثمن ایسا جو صانع (عمیل) کے فعل سے وجود میں آئے، یہ درست ہے؟

(۳) یہ عقد غرر کو مشتمل ہے یا نہیں؟ کیوں کہ صانع کا مقصود مالی فائدہ حاصل کرنا ہے، جس کی مقدار اس تعمیر کے استعمال پر موقوف ہے اور تعمیر کا استعمال مجہول ہے، اسی وجہ سے حاصل ہونے والی منفعت (ثمن استصناع) بھی مجہول ہوگا۔

نمبر (۱) کی تفصیل: بیع اور اجارہ میں منفعت کو ثمن بنایا جاسکتا ہے، اس لحاظ سے عقدِ استصناع میں منفعت کو ثمن بنانے کی گنجائش ہونی چاہئے، لیکن اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ بوقت عقد ثمن معدوم ہے، پھر عقد کس طرح درست ہوگا؟ لیکن تعامل ناس اور حاجت کے پیش نظر جب استصناع کی اجازت ہے تو اسے بھی اس قبیل سے مان کر برداشت کر لینا چاہئے۔

نمبر (۲) کی تفصیل: استصناع میں ایسا ثمن طے کرنا جو عمیل کے فعل سے وجود میں آئے، اس اعتبار سے یہ مسئلہ قفیز الطحان کا بن جاتا ہے، جو ہمارے

یہاں ممنوع ہے، لیکن عرف وحاجت کے پیش نظر جواز رکھا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ احناف میں سے مشائخ بلخ نے اس کی اجازت دی ہے۔

'مسئلۂ قفیز الطحان' سے متعلق کچھ بحث گذر چکی ہے اور آگے بھی تفصیل آ رہی ہے، ان شاء اللہ۔

نمبر (۳) کی تفصیل: کمپنی کا مقصود اس عقد سے تعمیر کی منفعت حاصل کرنا ہے، (جو استعمال کرنے والوں سے ٹیکس یا فیس یا کرایہ کی شکل میں وصول کی جائے گی) اور یہ بوقت عقد مجہول ہوتی ہے، محض کمپنی اپنے تخمینہ سے یہ طے کرتی ہے کہ اصل سرمایہ پر اتنی منفعت حاصل ہونی چاہئے، لیکن کسی کو بھی اس کے تحقیقی نفع کی مقدار معلوم نہیں ہوتی اس اعتبار سے اس میں غرر و جہالت کا پہلو پایا جاتا ہے۔

اس غرر کے ازالے کا طریقہ یہ ہے کہ تعمیرات کے کرایہ اور فیس وغیرہ سے حاصل ہونے والی موہوم اور متوقع تخمینی آمدنی کو استصناع کا ثمن قرار نہ دیا جائے، بلکہ تکمیل شدہ منصوبہ یعنی تعمیر کے منافع ایک خاص وقت تک بطور 'ثمنِ استصناع' دینا طے کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ منافع باعتبار وقت متعین اور متقوم ہیں۔

(ماخوذ: بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ۲-۱۳۱ تا ۱۴۴)

یجوز أن یکون ثمن الاستصناع منفعة، ولا یجب أن یکون عینا، لأن المنفعة تصلح أن تکون ثمناً فی کل من البیع والإجارة علی هذا الأساس، یمکن تخریج العقود التی تسمی "عقود البناء والتشغیل" (Build operate and Transfer)

وحقیقة هذه العقود أن الحکومة تفوض بناء مشارع الشوارع

العامة أو الجسور أو غيرها إلى جهة مختصة تلتزم انجاز المشروع في مدة معلومة، وتمنحها الحكومة حق تشغيل هذه الشوارع أو الجسور إلى مدة معينة، والحصول على ما يدر من دخل و بعد انقضاء تلك المدة يسلم المشروع إلى الحكومة، وهو استصناع من قبل الحكومة ، وثمنه منفعة المشروع نفسه إلى مدة متفق عليها بين الطرفين. (فقه البيوع : ٢/ ١١٦٦)

حق امتیاز:

حق امتیاز: حکومت کی طرف سے دی جانے والی خصوصی مراعات کا نام ہے۔

ایسی مراعات عموماً سابق میں مذکور عقد استصناع کے ضمن میں صانع (کمپنی) کو دی جاتی ہے، تاکہ وہ حکومتی املاک کو اپنی تحویل میں لے کر لوگوں کے پاس سے اس کے استعمال کے عوض کرایہ اور فیس وغیرہ وصول کرے، اور اس طرح اس تعمیر میں لگنے والے اپنے سرمایہ اور محنت کا عوض وصول کر لے۔

البتہ یہ حق امتیاز کبھی عقد استصناع کے بغیر مستقل بھی ہوتا ہے، یعنی حکومت اپنی زمین، عمارت، پل وغیرہ کسی کمپنی کو مخصوص مدت تک متعینہ اجرت طے کر کے دے دیتی ہے، گویا حکومت اپنی کوئی تعمیر یا روڈ کسی کمپنی کو متعینہ اجرت لے کر حوالے کر دیتی ہے، اور پھر وہ کمپنی لوگوں سے اس کے استعمال کا کرایہ وصول کرتی ہے، اس اعتبار سے یہ اجارہ در اجارہ کی صورت بنتی ہے، یعنی اولاً حکومت نے راستہ یا پل کسی کمپنی کو کرایہ پر دیا، اور پھر کمپنی اس تعمیر بطور کرایہ لوگوں کے استعمال

میں دیتی ہے اور کرایہ وصول کرتی ہے۔ یہ اجارہ دراجارہ کی صورت ہے اور ماسبق میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ (ماخوذ: بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ،۲-۱۴۴تا۱۴۷)

ٹھیکے وتعمیر، ان کی حقیقت، کیفیت اور شکلیں

اسلامک فقہ اکیڈمی، جدہ کے چودہویں سمینار منعقدہ دوحہ قطر مؤرخہ ۸۔۱۳ /ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۱۔۱۶/جنوری ۲۰۰۲ میں ٹھیکہ وتعمیر، ان کی حقیقت، کیفیت اور شکلوں سے متعلق جو تجاویز پاس ہوئیں وہ ذیل میں مندرج ہیں:

(۱) ٹھیکہ ایسا معاملہ ہے جس کی رو سے ایک فریق کوئی چیز بنانے یا کسی کام کو انجام دینے کی ذمہ داری لیتا ہے اور دوسرا فریق اس کے معاوضہ کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہے، یہ معاملہ جائز ہے، خواہ ٹھیکیدار؛ کام اور میٹریل کی فراہمی دونوں انجام دے، جسے فقہاء عقد استصناع کہتے ہیں، یا صرف کام کرے جسے فقہاء اجارہ کہتے ہیں۔

(۲) اگر ٹھیکہ دار کام اور میٹریل دونوں چیز انجام دے تو اس پر استصناع سے متعلق اکیڈمی کی قرارداد نمبر ۶۵ (۷/۳) منطبق ہوگی۔

(۳) اگر ٹھیکہ دار فقط کام کرے تو اس صورت میں اجرت معلوم ہونی چاہئے۔

(۴) قیمتوں کی تحدید پر اتفاق درج ذیل طریقوں میں سے کسی ایک سے ہوسکتا ہے:

الف: ایک اجمالی قیمت پر اتفاق کرلیا جائے جو پوری باریکی سے طے شدہ اوصاف تفصلات اور نقشہ جات کے دستاویزات کی بنیاد پر ہو۔

ب: قیمت قیاسی یونٹ کی بنیاد پر طے کرلی جائے، جس میں یونٹ کی قمیت اورکمیت کی تحدید کی جائے اور وہ باہمی طےشدہ تفصیل ونقشہ کے مطابق ہو۔

ج: حقیقی لاگت اور نفع کے فیصدی تناسب کی بنیاد پر قیمت طے کی جائے، اس صورت میں ٹھیکہ دار کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ تمام تر مالی اخراجات کی پوری تفصیل اور فہرست اور ہر چیز کے علاحدہ خرچ کی وضاحت عقد کے فریق ثانی کو پیش کرے، اسی وقت وہ اخراجات نیز اس پر طےشدہ نفع کی شرح کا مستحق ہوگا۔

(۵) ٹھیکہ کے معاملہ میں جرمانہ کی شرط لگانا بھی جائز ہے، بشرطیکہ کوئی قابو سے باہر ہنگامی حالات نہ پیش آ گئے ہوں، اور اس صورت میں اکیڈمی کی قرارداد بابت جرمانہ کی شرط نمبر:۱۰۹(۱۲،۳) نافذ ہوگی۔

(٦) جائز ہے کہ ٹھیکہ کے معاملہ میں تمام قیمت بعد میں ادا کرنا طے کیا جائے یا اس کی مختلف مقررہ اوقات کے لیے مختلف قسطیں بنادی جائیں یا باہم طے شدہ کام کے مرحلہ وار ادا کیا جائے۔

(۷) معاملہ میں تبدیلی اور اضافہ پر اتفاق کرنا بھی جائز ہے۔

(۸) اگر ٹھیکہ دار مالک کی اجازت کے ساتھ کوئی ترمیم یا اضافہ کرے اور اس کی اجرت طے نہ کرے تو ٹھیکہ دار برابر کے عوض کا مستحق ہوگا۔

(۹) اگر ٹھیکہ دار بغیر باہمی اتفاق کے اپنی طرف سے کوئی تبدیلی یا زیادتی کرتا ہے تو وہ نہ تو طے شدہ اجرت سے زائد کسی عوض کا مستحق ہوگا اور نہ تبدیلی یا زیادتی کے عوض کا مستحق ہوگا، اس کی اسے کوئی قیمت اور معاوضہ نہ ملے گا۔

(۱۰) اگر ٹھیکہ دار کمی یا زیادتی کرتا ہے، یا معاہدہ کی شرطوں کی خلاف ورزی

کرتا ہے تو وہ اس کا ضامن ہوگا، اسی طرح اس سے کام کے دوران جو غلطیاں ہوں گی ان کا بھی وہ ذمہ دار ہوگا، البتہ اگر قابو سے باہر حالات کے نتیجہ میں یا مالک سے غلطی ہوئی تو اس کا وہ ضامن نہ ہوگا۔

(۱۱) اگر مالک نے یہ شرط لگادی کہ ٹھیکہ دار خود کام کرے گا تو اب اسے اندر ہی اندر کسی دوسرے ٹھیکہ دار سے معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا۔

(۱۲) ہاں اگر مالک یہ شرط نہ لگائے تو ٹھیکہ دار دوسرے سے معاملہ کرسکتا ہے، اگر دونوں کے کام میں کوئی خاص فرق نہ پڑتا ہو اور ایسا کام نہ ہو جس میں اس ٹھیکہ دار کی خصوصیت ہے۔

(۱۳) ٹھیکہ دار دوسرے جن ٹھیکہ داروں سے معاملہ کرے گا ان کے کاموں کا وہ ذمہ دار ہوگا اور عقد کے مطابق مالک کے سامنے اصل ٹھیکہ دار کی جواب دہی باقی رہے گی۔

(۱۴) معاملہ کرتے وقت ٹھیکہ دار کا ضمانت سے براءت کی شرط لگانا قابل قبول نہ ہوگا۔

(۱۵) خاص وقت تک ہی ضمانت کی شرط جائز ہوگی۔

(۱۶) معاملہ میں ضمانت کا جو وقت متعین ہوا ہے اس وقت میں غلطی نہ ہونے کی شرط مقبول نہ ہوگی۔

(انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے: ۳۹۰۔۳۹۱)

پٹہ اور پٹۂ دوامی

پٹہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ متعینہ مدت کے لیے متعینہ اجرت کے عوض زمین کرایہ پر دی جاوے اور تمام شرائطِ اجارہ کا اس میں لحاظ رکھا جائے، شرعی حیثیت سے اصول اجارہ کے مطابق جواز کی یہی شکل بنتی ہے۔

اور یہ اجارہ مدت کے اختتام پر یا متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت پر ختم ہو جائے گا اور شئ مستأجر مالک کے حوالہ کرنا ضروری ہوگا۔

ويجوز أن يستأجر الساحة ليبنى فيها أو ليغرس فيها نخلا أو شجرا لأنها منفعة تقصد بالأراضى ثم إذا انقضت مدة الإجارة لزمه أن يقلع البناء والغرس ويسلمها فارغة۔ (رسائل ابن عابدين: ١٤٦/٢)

وتنفسخ (الإجارة) بموت أحدهما إذا عقدها لنفسه بخلاف (البيع) (الاشباه والنظائر: ٤٤٥) الفن الثالث الجمع والفرق

لیکن فقہاء متاخرین کے کلام سے بعض صورتیں ایسی بھی معلوم ہوتی ہیں جس میں مستأجر کا قبضہ چند شرائط کے ساتھ دائمی رہتا ہے اور نسلاً بعد نسل بھی دراز ہوسکتا ہے اور جب تک وہ ان شرائط کی پاسداری کرے وہاں تک موجر کو اس کا قبضہ ختم کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں رہتا۔ ان شرائط کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ (۱۸/۵: تا ۲۸) میں اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے احسن الفتاوی (۳۴۴/۷) میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ درج ذیل ہے:

پٹۂ دوامی سے متعلق شرائط

(۱) مالک بوقت عقد مستأجر کو پٹہ دوامی لکھدے کہ یہ زمین ہمیشہ کے لئے کرایہ پردی جارہی ہے۔

(۲) کرایہ دار اس زمین میں تعمیر وغیرہ کرلے۔

(۳) معاہدہ میں طے ہو کہ جب اس جیسی زمینوں کا کرایہ بڑھے گا تو اس کا بھی کرایہ بڑھے گا یعنی اجرت مثل واجب ہوگی اور اس میں معیار زمین کی اصل حالت کو بنایا جائے گا جو قبل الاجارہ تھی موجودہ حالت کو نہیں، (جو مستاجر کی اصلاح ودرستگی کے بعد بنی ہے۔)

(۴) کرایہ دار پابندی سے کرایہ ادا کرتا رہے۔

(۵) کرایہ دار زمین کو ۳ سال تک معطل نہ چھوڑے۔

(۶) اوقاف کی زمینوں میں پٹہ دوامی پر دینا اسی وقت جائز ہوگا جبکہ انہیں آباد کرنے اور اس سے معتد بہ مقدار میں نفع حاصل کرنے کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور شکل نہ ہو۔

(۷) یہ کسی بھی طرح وقف کے لیے مضر اور مخل نہ ہو۔

اگر مستأجر ان شرائط کی پاسداری کرے تو اس کا حقِ قرار بحال رہے گا، اور وراثت میں بھی منتقل ہوگا؛ لیکن بحثیت ملک نہیں؛ بلکہ بحثیت استحقاق ہوگا، اسی لئے یہ انتقال قواعدِ میراث کی بنیاد پر نہ ہوگا۔

اگر مستأجر ان شرائط کی پاسداری نہیں کرتا تو مالک یا متولی وقف کو اس سے قبضہ ختم کرنے کا حق رہتا ہے۔

پٹۂ دوامی میں قابل بحث امور

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پٹہ دوامی میں تین امور قابل بحث ہیں۔

(۱) پٹہ دوامی کا جواز اوقاف کے ساتھ خاص ہے یا شخصی املاک میں بھی اس کی گنجائش ہے؟

(۲) اجارہ متعینہ مدت کا ہو اور اس درمیان مستأجر کوئی ایسا تصرف کرے جس سے اس کو حق قرار حاصل ہو یا ختمِ اجارہ میں اس کو ضرر کثیر ہو تو کیا اس کو اجارہ جاری رکھنے کا حق ہوگا یا نہیں؟ اور اس میں بھی اوقاف اور شخصی املاک کا فرق ہے یا نہیں؟

(۳) پٹۂ دوامی میں مستأجر کی وفات کے بعد حقِ اجارہ تمام ورثاء کی جانب بحیثیت ترکہ منتقل ہوگا؟ یا فقط بعضِ ورثاء کو ہی حق اجارہ حاصل ہوگا؟

ان تینوں امور کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) امر اول: پٹۂ دوامی کا جواز اوقاف کے ساتھ خاص ہے یا شخصی املاک میں بھی اس کی گنجائش ہے؟

نعم يفتى به فيما دعت إليه الحاجة و جرت به فى المدة المديدة العادة وتعارفه الأعيان بلا نكير كالخلو المتعارف فى الحوانيت وهو أن يجعل الواقف أو المتولى أو المالك على الحانوت قدرا معينا يؤخذ من الساكن ويعطيه به تمسكا شرعيا فلا يملك صاحب الحانوت بعد ذلك اخراج الساكن الذى ثبت له الخلو ولا إجارتها لغيره مالم يدفع له المبلغ المرقوم فيفتى بجواز ذلك قياسًا على بيع

الوفاء الذی تعارفه المتأخرون احتیالا عن الربا حتی قال فی مجموع النوازل : اتفق مشائخنا فی هذاالزمان علی صحته بیعا لاضطرار الناس إلی ذلك ومن القواعد الكلیة، إذا ضاق الأمر اتسع حكمه فیندرج تحتها أمثال ذلك مما دعت الیه الضرورة والله اعلم ۔(شامی :۳۵/۹)

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ مالک یا متولی کچھ عوض لے کر حق قرار یا اجارہ کے دوام کا حق مستأجر کو دے سکتا ہے، اوراس کا جواز عرف کے سبب سے ہے،قواعد اس کی صحت کی نفی کرتے ہیں؛ مگر بیع وفاء کی طرح اس کو جائز کہا جائے گا۔

اگر ابقاء اجارہ کا عوض لے لیا ہے یعنی کچھ عوض لے کر دوامِ اجارہ کا حق دیا گیا ہے تو فقہاء کی عبارت کے مطابق عرف کی وجہ سے وقف اور شخصی املاک دونوں میں اس کی گنجائش ہے۔

(۲) امرِ دوم : اجارہ متعینہ مدت کا ہو اور اس درمیان مستأجر کوئی ایسا تصرف کرے جس سے اس کو حق قرار حاصل ہو یا ختمِ اجارہ میں اس کو ضرر کثیر ہو تو کیا اس کو اجارہ جاری رکھنے کا حق ہوگا یا نہیں؟ اور اس میں بھی اوقاف اور شخصی املاک کا فرق ہے یا نہیں؟

اس کا حکم یہ ہے کہ مستأجر کو اصولاً حق قرار نہ ہوگا اور غرس اور بناء کی وجہ سے اجارہ جاری رکھے تو یہ حق فقط اوقاف کی زمینوں میں ہوگا، وہ بھی چند شرطوں کے ساتھ۔

وأنت خبير بأن صريح عباراتهم أن المستاجر يجبر على تسليم الأرض للمؤجر فارغة وانه ليس له أن يبقى البناء والغراس فى الأرض بدون رضا الموجر وهذا بعمومه شامل للأرض الملك والوقف(لكن) ذكر فى البحر عن القنية مانصه : استاجر أرضا وقفا وغرس فيها وبنى ثم مضت مدة الإجارة فللمستاجر أن يستبقيها بأجر المثل اذا لم يكن فى ذلك ضرر ولوأبى الموقوف عليهم إلا القلع ليس لهم ذلك (قلت) وحاصله أن كلام المتون و الشروح وإن كان شاملا للوقف والملك لكن كلام القنية حيث اعتضد بما ذكره الخصاف صار مخصصا لكلام المتون والشروح بالملك ويكون الوقف خارجا عن ذلك فللمستاجر الاستبقاء بأجر المثل بشرط عدم الضرر على الوقف اصلا.(رسائل ابن عابدين :۲/ ۱٤۷)

وأما إذا لم يكن له فيها حق القرار وفرغت مدة إجارته فلا قائل بانه أحق من غيره وأنه يلزم المؤجر إيجارها منه فإن هذا مخالف لما أطبقت عليه كتب أئمتنا متونا وشروحا وفتاوى من أنه بعد انتهاء المدة يلزم المستأجر تسليم الأرض فارغةً وقلع بنائه وغراسه إلا إذا كانت معدة لذلك وثبت له فيها حق القرار كماعلمت من استثناء أصحاب الفتاوى ذلك فيبقى ما عداه داخلا فى اطلاق عبارات المتون والشروح۔(رسائل ابن عابدين: ۱۵۷/۲)

والفرق أن الوقف معد للإيجار فإيجاره من ذى اليد بأجرة مثله أولى من إيجاره من أجنبى لما فيه من النظر للوقف والنظر للمستأجر

الذی وضع السکنی بالإذن وثبت له حق القرار بخلاف الملك فإن لصاحبه أن لایؤجر لیسکنه بنفسه أو یعیره أو یرهنه أو یبیعه أو یعطله۔(رسائل ابن عابدین: ۱۵۲/۲)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ موقت اجارہ میں ضرر کے پیش نظر بقاء اجارہ کا تقاضہ کرنے والے اسباب (غرس اور بناء وغیرہ) کی وجہ سے اجارہ کے ابقاء کا حق مستاجر کو فقط وقف کی زمینوں میں ملے گا اور شرط یہ ہے کہ وقف کو ضرر نہ ہو، نیز یہ زمین دکان وغیرہ اجارہ کے مقصد کے لیے ہی ہوں۔

شخصی ملک کی زمین میں چوں کہ مالک کو اختیار ہے، چاہے اپنی زمین کو اجارہ پر دے یا خود استعمال کرے یا معطل کر دے، جب کہ اوقاف میں تعطیل وغیرہ کی اجازت نہیں، اس لیے مستأجرِاول زیادہ حقدار ہوگا۔

پس شخصی ملکیت میں مالک کے حق کی وجہ سے اجارہ ختم کر دیا جائے گا اور اوقاف میں مستأجر کے ضرر کو دیکھتے ہوئے اور اوقاف کے فائدے کے پیش نظر اجارہ باقی رکھا جائے گا۔

البتہ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے، اوروہ یہ کہ شخصی زمین کے اجارہ مؤقت میں مستأجر نے درخت لگائے ہوں یا تعمیر کی ہو اور مدت پوری ہونے پر اس کو غرس و بناء اکھیڑ لینے کا حکم دینے میں اس قدر نقصان ہو جو زمین کی قیمت سے بھی زائد ہے تو اس کو نقصان سے بچانے کے لیے زمین کی قیمت کا ضامن بنایا جائے گا اور وہ زمین کا بھی مالک بن جائے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ حکم تب ہے جب کہ دونوں کے مابین نزاع ہو اور رفع نزاع

کی اور کوئی صورت نہ ہو، پس اس صورت میں اگر دونوں فریق اجارہ کو آگے بڑھانے پر راضی ہوں تو بدرجہ اولی درست ہوگا اور مستأجر کو اجارہ جاری رکھنے کا حق ہوگا۔

پس کل ملا کر ۳ صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(الف) وقت پورا ہونے پر مستأجر غرس و بناء اکھیڑ لے اور زمین فارغ کر کے مالک کے حوالہ کر دے۔

(ب) مالک اجارہ جاری رکھنے پر راضی ہو یعنی مستأجر کا حق اجارہ مان لے اور اجارہ جاری رکھے۔

(ج) اگر ان دونوں صورتوں میں سے کسی پر رضامندی نہیں ہوتی تو مالک کی ملک یعنی زمین اور مستأجر کی ملک یعنی بناء وغرس وغیرہ کی قیمت دیکھی جائے گی، جس کی قیمت زیادہ ہو وہ دوسرے کی چیز کی قیمت ادا کر کے کل جائیداد کا مالک بن جائے۔

وفی الشامية تحت قوله : ولو استاجر أرض وقف وغرس فيها قيد بالوقف لما فی الخيرية عن حاوی الزاهدی عن الأسرار من قوله: بخلاف ما إذا استاجر أرضا ملكا ليس للمستاجر أن يستبقيها كذلك إن أبی المالك إلا القلع بل يكلفه علی ذلك إلا إذا كانت قيمة الغراس أكثر من قيمة الأرض فيضمن المستأجر قيمة الأرض للمالك فيكون الأغراس والأرض للغارس وفی العكس يضمن المالك قيمة الأغراس فيكون الأرض والأشجار له وكذا الحكم فی العارية.(شامی:

(٤٢/٩)

(۳)امر سوم: پٹۂ دوامی میں مستأجر کی وفات کے بعد حقِ اجارہ تمام ورثاء کی جانب بحیثیت ترکہ منتقل ہوگا؟ یا فقط بعض ورثاء کو ہی حق اجارہ حاصل ہوگا؟

اب تک کی بحث پر نظر کی جائے تو ہمارے سامنے مجموعی طور پر۲ مسئلے آتے ہیں:

(۱)اوقاف کی زمینوں میں مستأجر کا حق قرار ودوام۔

یہ چوں کہ وقف کی مصلحت اور فائدے کے پیش نظر اور مستأجر کے حق اسبقیت کے پیش نظر ہوتا ہے، اس لیے مستأجر کی موت کے بعد بھی انہی امور کو مدنظر رکھا جائے گا یعنی بیٹوں کو ہی حقِ اجارہ ملے گا، بیٹیوں کو نہیں، کیوں کہ یہ ان کا کام ہی نہیں، بیٹے نہ ہونے کی صورت میں اگر کوئی بیٹی یہ کام کرتی ہو اور کر سکتی ہو تو اس کو حق ملے گا ورنہ نہیں۔

قال فی کتاب المزا رعة من الفتاوی الخيرية (سئل) فی رجل مزارع فی أراضی بيت المال والوقف والتيمار يؤدی قسمها للجهات المذكورة مدة عمره مات عن ابن و بنت هل تقسم بينهما قسمة ما يملكه من الأموال للذكر مثل حظ الانثيين أم لا وتبقى في يد الابن المتعاطی للفلاحة فيها ولاشئ للبنت فيها (أجاب) المزارع فی الارض السلطانية أو الوقف أو التيمار لايملك الأرض وانما هو أحق بمنفعتها من غيره حيث لم يكن خائنا ولا معطلا لها تعطيلا يضر ببيت المال والوقف فلا تقسم قسمة مايملكه الميت من المال

بـاجـمـا ع الـعـلماء وتبقى فى يد ابنه المزارع حيث كان صالحا كما كان أبوه على وجه الأحقية من الغير والله تعالى اعلم

(سئـل) فى قرية يزرع أرضها المزارعون بالحصة وهى وقف أو سـلـطـانية ورجـل مـن أهـل القرية واضع يده عليها مدة سنين يزرعها ويـدفـع مـا هـوالمتعين من الحصة تلقاها عن أبيه بحيث أن مدته مدة أبيه عليها تزيد على أربعين سنة ويريد رجل أن يرفع يده عنها ويزرعها مـدعيا أن له فيها حصة هل ترفع يده عنها أم لا ولايملك المدعى رفع يـده عـنها (أجاب) لا ترفع يده عنها ففى الحاوى الزاهدى والقنية له حـق القرار فى أرض وقف أو سلطانية ويتصرف فيها غيره وهو يراه و لـم يـمـنـعـه ليـس له حق الاسترداد انتهى فاذا كان هذا فيمن له حق الـقـرار فـمـا بـالك بـالـمزارع الذى ليس له حق القرار وهو المسمى بالكردار. (رسائل ابن عابدين :۲/ ۱۴۹)

وإذا مـات عن ابن توجه لابنه فيقوم مقامه فيها...... وذكر فى الـحامدية قبل ذلك أنها لا تورث وإنما توجه للابن القادر عليها دون البـنـت ثم نقل عن مجموعة عبد الله آفندى أنها عند عدم الابن تعطى لبـنتـه فإن لم توجد فلأخيه لأب فإن لم يوجد فلأخته الساكنة فإن لم تـوجـد فلأمه (وذكر العلائى) فى خراج الدر المنتقى تنتقل للابن ولا تـعـطـى البـنـت حـصة وإن لـم يترك ابنا بل بنتا لاتعطى۔(رسائل ابن عابدين : ۲/ ۱۵۱)

(۲) شخصی املاک میں پٹۂ دوام یعنی اجارہ دائمی کا عقد کرنا۔

اس میں دوام کا حق کسی مصلحت کے پیش نظر نہیں، بلکہ عقد کے سبب مستأجر کا استحقاق ہے، اور ایسے معاملات میں مستأجر کا قصد ہی یہ ہوتا ہے کہ تاحیات اپنے لئے اور بعد ممات اپنی اولاد کے لیے اجارہ ہو، اس لیے اس میں میراث کے قاعدے کے مطابق تمام ورثاء استیجار میں شریک ہوں گے۔

ہماری سمجھ کے مطابق ادارۃ المباحث الفقہیہ کی درج ذیل تجاویز اسی مسئلہ کے بارے میں ہیں۔

طویل مدتی کرایہ کے مکانوں اور دکانوں میں حق وراثت کا مسئلہ

اسلامی اصول کی روشنی میں کرایہ دار کو مالک کے درجہ میں نہیں رکھا جا سکتا ہے، لیکن ہندوستان جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں بہت سی صورتوں میں کرایہ دار کو قانونی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے اور مالک بآسانی اپنی ملکیت کرایہ دار سے خالی کرانے کا اختیار نہیں رکھتا، جیسا کہ طویل مدتی کرایہ داری میں یہ بات بالکل واضح ہے۔ نیز بعض صورتوں میں کرایہ داری کے حق قرار کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں کرایہ دار کی وفات کے بعد اس کے وارثین کی حق تلفی کی صورت بھی سامنے آسکتی ہے، ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہی اجتماع درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

(۱) کرایہ دار کو شرعی اصول کی روشنی میں حقیقی مالک کے درجہ میں نہیں رکھا جا

سکتا، بلکہ وہ صرف کرایہ داری کے زمانے میں اس ملکیت سے انتفاع کا حق رکھتا ہے، بیع وشراء کا حق نہیں رکھتا۔

(۲) اگر کرایہ داری کی مدت متعین ہو تو مقررہ وقت گزرنے پر عقدِ اجارہ خود بخود ختم ہو جائے گا، اب یا تو مالک سے صراحتاً یا دلالۃً نیا عقد کیا جائے یا مالک کے مطالبہ پر جائداد خالی کر دی جائے، اس صورت میں مالک کی مرضی کے بغیر کرایہ دار کا جبری قبضہ جائز نہیں ہے، بلکہ صریح ظلم ہے۔

(۳) طویل مدتی کرایہ داری کی وجہ سے اگر چہ کرایہ دار کو مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوں گے، لیکن بعض صورتوں میں، جیسے پٹۂ دوامی یا اس کے مشابہ؛ کرایہ داروں کو حق قرار حاصل ہوگا اور مالک کو بلا کسی عذر شرعی کے معاملہ کو فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

(۴) جن صوتوں میں کرایہ دار کو شرعاً کرایہ داری برقرار رکھنے کا استحقاق ہو ان صورتوں میں اس کی وفات کے بعد تمام ورثاء کو یہ استحقاق رہے گا، کسی ایک وارث کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے نام کرایہ داری منتقل کرا کے دوسروں کو محروم کر دے۔

(۵) نیز اس صورت میں اگر حق اجارہ داری سے دستبرداری کے بدلہ کوئی معاوضہ حاصل کیا جاتا ہے تو اس میں حسب اصول شرع تمام ورثاء حق دار ہوں گے۔ (فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز: ۸۰۔۸۱)

خلاصہ: اس تحریر ہم نے میں پٹہ دوامی سے متعلق شخصی ملک اور اوقاف ؛

دونوں سے متعلق علیحدہ بحث کی ہے، پٹہ دوامی کا معاملہ بسبب ضرورت دونوں میں درست ہے، البتہ اس کے جواز کی بنیاد جداگانہ ہیں، یعنی شخصی املاک میں پٹہ دوامی کے جواز کی بنیاد بننے والی ضرورتیں اوراوقاف میں جواز کی بنیاد بننے والی ضرورتیں الگ الگ بھی ہوسکتی ہیں، لہٰذا احکام میں بھی اس اعتبار سے فرق ہوسکتا ہے۔

اسی لیے ہم نے یہ لکھا ہے کہ اوقاف میں تو حق دوام فقط ایسے ورثاء کی طرف منتقل ہوگا جو وقف کو آباد کرنے ، اس کے منافع کو برقرار رکھنے یا اس کو بڑھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں، ظاہر ہے کہ عموماً یہ نرینہ اولاد میں ہوگا، اِلا یہ کہ کسی کی مؤنث اولاد بھی اس معیار پر پوری اترے۔ جب کہ شخصی املاک میں مستاجر کی ضرورت ہی اپنی آئندہ نسل تک اس اجارہ کے فوائد کو باقی رکھنے کی ہے، اس لیے شخصی املاک میں تمام ورثاء باعتبار میراث شریک ہوں گے۔

فتاوی دارالعلوم زکریا، جلد۵ ص:۳۲۹ تا ۳۳۲، اس مسئلہ پر بحث کے بعد خلاصہ میں جواہر الفقہ کے اس قول کی تردید ہے جس میں فقط اولاد ذکور کی طرف حق دوام منتقل ہونے کا حکم ہے، اس سلسلے میں بھی ہمارا خیال یہی ہے کہ جواہر الفقہ میں اس مسئلہ کی دونوں جہتیں، شخصی املاک اور اوقاف ؛ کو الگ الگ کرکے نہیں دیکھا گیا ہے، اورغور کرنے سے وہی نتیجہ نکلتا ہے جو ہم نے سابق ذکر کیا۔

عقد الصيانة

(Maintenance contract)

عقدِ صیانت ایک جدید عقد ہے جو بعینہ مروجہ شکل میں زمانۂ ماضی میں نہ تھا؛ اس لیے کتبِ فقہ میں اس کی تعریف اور احکام نہیں ملتے؛ البتہ اس کے لغوی معنی موجود ہے۔

لغوی معنی: صیانت کے معنی عربی زبان میں حفاظت کرنے کے آتے ہیں۔

الصون : أن تقى شيئًا وصان الشئ صونًا وصيانةً وصيانًا، ويقال صنت الشئ أصونه فهو مصون وجعلت الشئ فى صوانه. (لسان العرب : ٧/ ٤٤٦)

اصطلاحی معنی: یہ ایک جدید عقد ہے اس لیے کتبِ فقہ میں اس کی تعریف نہیں ملتی؛ البتہ معاصر علماء نے اپنے طور پر اس کی اصطلاحی تعریف ونوعیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر یوسف قاسم تحریر فرماتے ہیں۔

هوعقد بين طرفين بمقتضاه يقوم أحدهما بصيانه آلة من الآلات وفى نظير ذلك يلتزم الطرف الآخر بدفع الأجرة المحددة له بينهما. (تطبيقات الإجارة والجعالة على عقود الصيانة : ٦)

اسی طرح ڈاکٹر محمد حسن جواہری تحریر فرماتے ہیں،

هى عبارة عن الرعاية و إصلاح الشئ المعمر (السلع المعمرة)

كلما طرأ عليه عطل أو أذى من حيث قدرته عليه انتاج الخدمات و المنافع المقصودة منه (عقود الصيانة:٣)

اسی طرح ڈاکٹر عیاشی صادق فداد تحریر فرماتے ہیں:

هو عقد مستحدث مستقل تنطبق عليه الأحكام العامة للعقود و يختلف تكييفه و حكمه باختلاف صوره. (استكمال عقود الصيانة: ١)

الغرض سب تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ یہ ایک جدید عقد ہے جس میں کوئی شخص یا ادارہ کسی کمپنی سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ ہمارے پاس یہ گاڑی یا مشنری وغیرہ موجود ہے، اس میں طے شدہ مدت کے دوران جو بھی خرابی پیدا ہو اس کو دور کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اور فریق آخر اسی ذمہ داری قبول کرنے سے ہی اجرت کا حقدار بن جائے۔

عقد الصیانۃ پر کون سے احکام منطبق ہوں گے؟

عقد الصیانۃ کی مذکورہ بالا حقیقت کو دیکھتے ہوئے کسی خاص عقد کے ساتھ اسے تطبیق دینا مشکل ہے، تاہم اس عقد کی تفصیلات کو دیکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر اس عقد کی دو الگ الگ حیثیت ہیں۔ (۱) عقد صیانت منفرد (۲) عقد صیانت ملحق ومشروط۔

(۱) عقد صیانت منفرد اور اس کی صورتیں:

عقد صیانت منفرد ہو؛ کسی عقد کے ساتھ ملحق ومشروط نہ ہو تو عموماً اس کی دو

صورتیں ہوتی ہیں:

(اول) سروس یا صیانت فراہم کرنے والے ادارہ پر متعین وقفہ سے سروس کرنا ضروری ہو؛ چاہے خرابی پیدا ہو یا نہ ہو، سروس کال آئے یا نہ آئے۔ اور سروس کال آنے پر یا خرابی کی اطلاع پر بھی سروس اور صیانت فراہم کرنا ضروری ہو۔

(دوم) فقط سروس کال آنے پر یا خرابی پیدا ہونے پر سروس کرنا ضروری ہو۔

ان صورتوں کے حکم شرعی کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عقد صیانہ جبکہ منفرد ہو تو بظاہر یہ عقد اجارہ کی شکل بنتی ہے:

اور جیسا کہ ابھی ذکر ہوا، اس کی ابتداءً دو صورتیں ہوتی ہیں:

پہلی صورت کی تفصیل اور اس کا حکم

(اول) سروس فراہم کرنے والے ادارہ پر متعین وقفہ سے سروس کرنا ضروری ہو چاہے خرابی ہو یا نہ ہو سروس کی کال آئے یا نہ آئے۔

حکم اس صورت کا یہ ہے کہ عاقدین کے درمیان طے شدہ اجرت اس متعین وملتزم سروس کا عوض ہوگی، جو سروس کرنے والا وقتِ متعین پر آکر انجام دے گا۔ البتہ اس صورت میں سروس کال اور خرابی کی اطلاع پر بھی سروس اور صیانت فراہم کرنا مجہول امر ہے، اس کو بھی عقد میں داخل کرنا اور اس کی اجرت لینا، دینا جہالت اور غرر کی وجہ سے درست نہیں ہونا چاہئے۔

لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ اجرت کو فقط متعین اور ملتزم سروس کا عوض قرار دیا

جائے تو نفس عقد درست ہو جائے گا، رہی یہ شرطِ فاسد تو چونکہ اس کا عرف وتعامل ہے، مفضی الی المنازعۃ نہیں اور فساد حق شرع کی وجہ سے نہیں ہے، اس لیے فقہاء کی تصریح کے مطابق یہ عقد درست ہوگا اور اس کی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا۔

إن من البيوع الفاسدة مالو أتى بها أحد جازت ديانة وإن كانت فاسدة قضاءً، وذلك لأن الفساد قد يكون لحق الشرع، بأن اشتمل العقد على مأثم فلا يجوز بحال وقد يكون الفساد لمخافة التنازع، ولايكون فيه شئ آخر يوجب الإثم فذلك إن لم يقع فيه التنازع جاز عندى ديانة وإن بقى فاسدا قضاءً لارتفاع علة الفساد و هى المنازعة و يدل عليه مسائلهم فى باب المضاربة والشركة ، فانها ربما تكون فاسدة مع أن الربح يكون طيبا وراجع، " الهداية" ونبه الحافظ ابن تيمية فى رسالته على أن من البيوع ما لايقع فيها النزاع فتكون تلك جائزة ، فإذا أدخلتها فى الفقه وجدتها محظورة، لأن أكثر أحكام الفقه تكون من باب القضاء والديانات فيها قليلة وإنما يصار إلى القضاء بعد النزاع فإذا لم يقع النزاع ولم يرفع الأمر إلى القاضى نزل حكم الديانة لامحالة ، فيبقى الجواز (فيض البارى على صحيح البخارى كتاب البيوع: ٣/ ٢٥٨،٢٥٩)۔

ذهب جمهور العلماء إلى أن اشتراط صفقة فى صفقة أخرى لايجوز..... وهذا قول أبى حنيفة والشافعى وجمهور العلماء .... وبما أن الصفقتين فى صفقة نوع من البيع بشرط زائد فإنه يجوز عند

الحنفية إذا جرى به العرف لأن الشرط فى البيع إن كان معروفا فإنه يجوز عندهم وأجاز الفقهاء الحنفية بيع النعل بشرط أن يحذوه البائع، قالوا إنه لايجوز فى القياس لكونه بيعًا بشرط الإجارة ولكن جاز استحسانا لمكان العرف قال السرخسى رحمه الله تعالى: وإذا اشترى نعلا بدرهم وشراكا معها على أن يحذوها البائع فهو جائز استحسانا لكونه متعارفًا بين الناس واذا كان أصل العقد يجوز للعرف فالشرط فى العقد اذا كان متعارفا للجواز أولى (فقه البيوع: ۱/ ۵۰۷_۵۱۱)

مذکورہ عقدِ صیانت کی ممکنہ ۳ صورتیں

پھر لوگوں کے درمیان طے پانے والے معاملہ کے اعتبار سے اس عقد کی ممکنہ تین صورتیں اور ہیں:

(الف) صائن صرف محنت ومرمت کا کام کرے، سامان لگانے کی نوبت ہی نہ آئے۔

(ب) محنت ومرمت سے ساتھ سامان لگانے کی ضرورت ہواور یہ سامان فراہم کرنا مالک کی ذمہ داری ہو۔

(ج) محنت ومرمت کے ساتھ سامان لگانے کی ضرورت ہو اور اس کی فراہمی بھی صائن کے ذمہ ہو۔

تینوں صورتوں کا حکم حسبِ ذیل ہے:

(الف) صائن صرف مزدوری کرے اور سامان لگانے کی ضرورت نہ ہو یا

ہوتو بھی معمولی؛ جس کا عادۃً حساب نہیں لیا جاتا، یہ صورت (إجارة الاشخاص) میں داخل ہوگی اور صائن کی حیثیت اجیر کی ہوگی۔

عقدصیانت کی اس قسم میں صائن کبھی اجیر مشترک کے طور پر کام کرتا ہے مثلاً کوئی ورکشاپ سب لوگوں کے لیے خدمات انجام دے رہا ہے،اوران سے عمل کے حساب سے اجرت وصول کرتا ہے،اس وقت یہ اجیر مشترک ہے۔

لیکن کبھی کسی فرد یا ادارے کے لیے بھی کام کیا جاتا ہے،جیسا کہ بہت سی فیکٹری والے کوئی ورکشاپ وغیرہ خود کھولتے ہیں یا کسی دوسرے ورک شاپ والے سے یہ ایگریمنٹ کر لیتے ہیں کہ وہ اسی کمپنی کی گاڑیوں اورمشنریوں کی مرمت کریں گے، اواس کے بدلہ انہیں سالانہ یا ماہانہ اتنی اجرت ملے گی، اس صورت میں صائن اجیر خاص ہے۔ اگر صائن اجیر مشترک ہوتو اس وقت معقود علیہ(عمل) ہوتا ہے جس کے بدلہ اجرت ملتی ہے۔اوراگراجیر خاص ہوتواس وقت معقودعلیہ منفعت یا متعینہ وقت ہوگا۔

(ب) صائن محنت کے ساتھ سامان بھی لگائے اور مالک سامان فراہم کرے۔ یہ صورت بھی سابقہ صورت کی طرح ہے،البتہ اس میں مالک کی طرف سے جو ساز وسامان آئے اس میں یہ اجیر امین ہوگا خیانت وتعدی سے بچاتے ہوئے اس کا استعمال کرنا ہوگا تعدی وخیانت کی صورت میں یہ صائن ضامن ہوگا۔

(ج) صائن محنت کے ساتھ سامان بھی لگائے اور یہ سامان لگانا بھی صائن کی طرف سے ہو۔ یہ صورت بھی اجارہ کی ہی بنتی ہے؛ البتہ اس میں یہ بات ملحوظ رکھنی ہوگی کہ غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے مثلاً اصلی کہہ کرجعلی اورڈبلی کیٹ

چیزیں نہ لگائے۔

مذکورہ صورت میں ایک تو صائن محنت کرتا ہے، دوم یہ کہ سامان اپنی طرف سے لگاتا ہے، گویا کہ مطلوبہ سامان اس کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے، الغرض ایک عقد میں دوسرا عقد بھی شامل کرلیتا ہے تو کیا صورت ''نهی رسول الله عن صفقتين فی صفقة'' کے دائرہ میں آکر ممنوع ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہوگا کہ حدیث کا محمل وہ صورت ہے جس میں صلب عقد ہی میں ایک عقد کو دوسرے کے ساتھ مشروط کردیا ہو۔ اگر یہ فریق دوسرا معاملہ کرنے میں آزاد ہو تو یہ صورت ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی؛ نیز ایسے دوعقد جن کا ایک عقد کے تحت واقع ہونا متعارف ہو تو احناف کے یہاں یہ بھی استحساناً دائرۂ جواز میں آتا ہے۔

ذهب جمهور العلماء الى أن اشتراط صفقة فى صفقة أخرى لايجوز -- وهذا قول أبى حنيفة والشافعى وجمهور العلماء -- وبما أن الصفقتين فى صفقة نوع من البيع بشرط زائد فانه يجوزعند الحنفية إذا جرى به العرف، لأن الشرط فى البيع إن كان معروفا فإنه يجوز عندهم وأجاز الفقهاء الحنفية بيع النعل بشرط أن يحذوه البائع۔قالوا إنه لايجوز فى القياس لكونه بيعًا بشرط الإجارة ولكن جاز استحسانا لمكان العرف. قال السرخسى رحمه الله تعالى: واذا اشترى نعلا بدرهم وشراكا معها على أنه يحذوها البائع فهو جائز استحسانا لكونه متعارفًا بين الناس واذا كان أصل العقد يجوز

للعرف فالشرط فی العقد إذاكان متعارفا للجواز أولی(فقه البيوع : ۱/ ۵۰۷-۵۱۱)

اس سے متعلق کچھ بحث اور حضرت اقدس تھانویؒ کا ایک فتوی سابق میں بھی گذر چکا ہے۔ملاحظہ ہو: نہراورتالاب کی ٹھیکیداری یا کرایہ داری۔

دوسری صورت اوراس میں غرر کا جائزہ

(دوم)فقط سروس کال آنے پر یا خرابی پیدا ہونے پر سروس کرنا ضروری ہو، صیانت کی اس صورت میں جہالت وغرر کا پہلو ہے،اور یہ ایک جہت سے نہیں بلکہ متعدد وجہ سے اس میں غرر پایا جاتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) صائن کا عمل ووقت دونوں مجہول ہوتا ہے اس لیے کہ بوقت عقد فریقین میں سے کوئی بھی اس بات کا علم نہیں رکھتا کہ مشین میں کیا کیا خرابی پیش آئے گی اور اس کی اصلاح کے لیے صائن کو کیا کیا عمل کرنا پڑے گا اس کی وضاحت نہیں ہو پاتی۔

(۲) بعض مرتبہ صائن اپنی طرف سے زائد سامان بھی لگاتا ہے،اور عقد صیانت کے وقت پر معلوم نہیں ہوتا کہ کتنے زائد سامان کی ضرورت ہوگی اوراس کی حیثیت ونوعیت اور قیمت بھی مجہول ہوتی ہے۔

(۳) مرمت اوراصلاح کے معیار میں جہالت پائی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ کاریگر اشیاء کی اصلاح مختلف پیمانوں پر کرتے ہیں،بعض صورتوں میں عام درجہ کی مرمت وغیرہ سے کام چل جاتا ہے،اور بعض میں اعلی درجہ کی مرمت کی جاتی ہے

تاکہ وہ مفید اور دیرپا ہو۔

(۴) جہالت اور غرر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ عقدِ صیانت میں متعاقدین ایک مدت تک سروس فراہم کرنے کا عقد متعینہ اجرت کے عوض کر لیتے ہیں لیکن مدت متعینہ میں سروس کی ضرورت ہوگی یا نہیں اور اگر ضرورت پڑی تو کتنی مرتبہ اور کس قدر سروس کی ضرورت ہوگی یہ مجہول ہوتا ہے۔

(۵) بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس میں انشورنش سے مشابہت کا عنصر بہت قوی ہے۔

اسی مذکورہ غرر و جہالت کے سبب حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اسے ناجائز کہا ہے حضرت کا فتوی ذیل میں مذکور ہے۔

وسؤالك الثانی : يتعلق بعقد صيانة السيارة ونقلها وإن مثل هذه العقود قد انشترت فی عصرنا مثل عقود صيانة السيارات والحاسب الآلی والمعدات الكهربائية وغيرها والواقع أن هذه العقد لا ينطبق تماما على أحد من العقود المعروفة فی الفقه الاسلامی فإن اعتبرناه عقد الإجارة فانه لايصح على كونه متضمنا للغرر فانه لايعرف هل تحتاج السيارة إلى صيانة أو نقل أم لا؟ وقد كيَّفَه بعض المعاصرين على أساس الجعالة ولكننی غير مقتنع تماما على هذا التكييف فإن عقود الجعالة تعتمد على عملٍ نشأ سببه عند العقد الا أن نقول أن وجود السيارة يلزمه أن تحتاج إلى صيانة فی وقت أوآخر ،

وبالجملة فلم يشرح صدری حتى الآن على تكييف مقبول لهٰذا

العقد، ويبدو لى أنه أشبه بالتأمين منه بالجعالة أو الإجارة وقد طرح الموضوع على مجمع الفقه الاسلامى ولم يتمكن من إصدار قرار فيه حتى الآن ولكن الحاجة داعية إلى مثل هذه العقود فى عصرنا فينبغى أن ينظر فيه الفقهاء ويلتمسونه تكييفا مقبولاأو بديلا مناسبا(والله سبحانه اعلم)

حضرت نے بطور دلیل درج ذیل عبارت پیش فرمائی ہے:

فى كتاب المبسوط فى كتاب الشرب ، قال أبو يوسف سألت أبا حنيفة من الرجل استأجر النهر يصيد فيه السمك أو استأجر جهة يصيد فيها السمك قال : لا يجوز ---- وذلك كله من باب الغرر.

(فتاوی عثمانی:۳/۴۰۴)

(۲) عقد صیانت کسی عقد کے ساتھ ملحق ومشروط ہو۔

(۲) دوسری حیثیت یہ ہے کہ عقد صیانت تنہا نہ ہو؛ بلکہ کسی اور عقد کے ساتھ ضم ہو۔

اس کی دوقسمیں ہیں:

(۱) بیع اورصیانت (۲) اجارہ اورصیانت

(۱) بیع اورصیانت:

بعض مرتبہ کوئی شخص (نئی یا پرانی) چیز کسی دکان سے خرید تا ہے، تو دکاندار اپنی طرف سے یا خریدار کے مطالبہ پر یہ شرط لگا تا ہے کہ اتنی مدت میں چیز خراب ہوئی تو اس کی اصلاح ودرستگی کی ذمہ داری بائع کی ہوگی، جسے (Voranty) سے

تعبیر کیا جاتا ہے، احناف کے یہاں عرف کی وجہ سے ایسی شرط لگانے کی گنجائش ہے۔

إن كـان البيـع مشـروطًـا بشـرط فـاسـد فالبيع فاسد والشروط المشروطة فى البيع كلها فاسدة الّا مادخل فى أحد الأنواع الثلاثة :

(ج) أن يـكـون الشرط مما تعارف عليه التجار من غير نكير مثل أن يشتـرط فـى بيـع الثـلاجة أن يـنصبها البائع فى بيت المشترى وأن يلتزم بصيانته الى مدة معلومة۔(فقه البيوع : ۲/ ۱۱۵۳)

(۲) اجارہ اور صیانت

یہ کہ کسی فرد یا ادارے سے کوئی چیز اجارہ کے طور پر حاصل کی جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی معاہدہ کرلیا جائے کہ مدت اجارہ میں جو کوئی خرابی آئے اس کی اصلاح اور مرمت موجر پر ہوگی۔

اس بابت اصولی بات یہ ہے کہ مدت اجارہ میں شئ مستأجرہ کے استعمال سے متعلق کسی صیانت کی ضرورت پڑے تو یہ مستأجر کے ذمہ ہوتی ہے، جسے (صیانۃ عادیۃ) کہا جاتا ہے، جیسے متعین وقفہ کے بعد مشن کی سروس یا صفائی کرانا، اور کسی خرابی کا تعلق اس چیز کے مالک ہونے سے ہے تو اس کی ذمہ داری موجر پر ہوگی جسے (صیانۃ اساسیۃ) کہا جاتا ہے، مثلاً حادثات میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی۔(مستفاد محمود الفتاوی:۶/۲۶۷)

البتہ جس طرح بیع میں اس طرح کی شرطِ فاسد کو تجار کے عرف کی وجہ سے

گوارا کر کے استحساناً جواز کا حکم دیا گیا ہے، اس طرح اجارہ میں بھی اگر صیانت عادیہ کے قبیل کی کچھ چیزیں موجر کے ذمہ قرار دی جائیں، جیسے کہ سروس کرانا وغیرہ تو اس کی گنجائش ہونی چاہیئے ؛عموماً ایسے عقود میں موجر کرایہ بھی زیادہ وصول کرتا ہے۔(ہذا ما عندی)

صیانت اور سروس کی مختلف صورتوں اور اس کے جواز اور عدم جواز پر بحث کرنے کے بعد فقہ اکیڈمی جدہ نے جو تجاویز منظور کی ہیں وہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

نوٹ: ہم سمجھتے ہیں کہ اکیڈمی کی بحث اور تجاویز کا محور وہ سروس اور صیانت ہے جس میں متعینہ دورانیہ پر سروس لازم ہو، البتہ سروس کی کیفیت، مقدار، عمل وغیرہ امور میں جہالت ہو، عقدِ صیانت کی وہ صورت جس میں متعینہ دورانیہ پر سروس لازم نہیں اور فقط طلب پر سروس فراہم کرنا ضروری ہو، وہ ان کی بحث اور تجاویز کا موضوع نہیں۔

عقد صیانت سے متعلق فقہ اکیڈمی جدہ کی تجاویز

اول: عقد صیانت (سروسنگ ایگریمنٹ) ایک نیا اور مستقل عقد ہے جس پر عقود کے عمومی احکام منطبق ہوں گے، اس کی حیثیت اور احکام اس کی مختلف صورتوں کے لحاظ سے علاحدہ علاحدہ ہوں گے، یہ حقیقت میں ایسا عقدِ معاوضہ ہے جس کی رو سے معاملہ کا ایک فریق ایک مقررہ مدت کے لئے کچھ مقررہ عوض کے بالمقابل کسی کمیشن یا کسی اور شئ کو وقفہ جاتی یا ہنگامی جانچ اور درستگی کا ذمہ لیتا

ہے، اور ایسا ذمہ لینے والا کبھی تو صرف عمل (سروس) کا ذمہ لیتا ہے اور کبھی عمل و سامان دونوں کا۔

دوم: عقدِصیانت کی متعدد شکلیں ہیں، جن میں بعض کے احکام تو واضح ہیں؛ مثلا (۱) ایسا عقدصیانت جو دوسرے عقد سے جڑا نہ ہو اور جس میں عقد کرنے والا صرف عمل کا یا ایسے معمولی سامان کی فراہمی کا جسے عرف میں معاملہ کے فریقین اہمیت نہیں دیتے ذمہ لیتا ہے۔

اس عقد کی نوعیت یہ ہے کہ عمل پر اجارہ کا عقد ہے، یہ شرعاً جائز عقد ہے بشرطیکہ عمل اور اجرت دونوں معلوم ہوں۔

(۲) ایسا عقدِصیانت جو دوسرے عقد سے جڑا نہ ہو اور جس میں عقد کرنے والا صرف عمل کا ذمہ لیتا ہے اور سامان کی فراہمی کا ذمہ مالک لیتا ہے۔

اس صورت کی حیثیت اور حکم پہلی صورت کی مانند ہے۔

(۳) عقد بیع ہی میں متعین مدت کے لیے بائع کے ذمہ صیانت کی شرط لگا دی جائے اس عقد میں بیع اور شرط دونوں پائے جا رہے ہیں، یہ جائز ہے، خواہ صیانت سامان کی فراہمی کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔

(۴) عقد اجارہ میں موجر (کرایہ پر دینے والے) یا مستأجر (کرایہ دار) پر صیانت کی شرط لگا دی جائے۔

اس عقد میں اجارہ اور شرط دونوں جمع ہیں، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر صیانت اس نوعیت کی ہو کہ شئی سے منفعت کا حصول صیانت پر ہی موقوف ہو تو بغیر

شرط کے یہ صیانت شئ کے مالک یعنی موجر کے ذمہ ہوگی اور مستاجر پر اس کی شرط لگانا درست نہیں ہوگا؛ لیکن اگر صیانت پر منفعت کا حصول موقوف نہ ہو تو موجر یا مستاجر میں کسی پر بھی اس کی شرط لگائی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس کی تعیین اس طرح کر دی گئی ہو کہ جہالت باقی نہ رہے۔

سوم: تمام صورتوں میں یہ شرط ہوگی کہ صیانت کی اس طرح تعیین کر دی گئی ہو کہ باعث نزاع بننے والی جہالت باقی نہ رہے، اسی طرح سامان اگر عقد صیانت کرنے والے کے ذمہ ہو تو اس کی تعیین بھی ضروری ہے، نیز تمام حالتوں میں اجرت کی تعیین وتحدید بھی شرط ہوگی۔ (انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے: ۳۲۰، ۳۲۱)

خلاصہ:

ایسے عقود کے جواز پر پیش کردہ ہمارے دلائل اور ان قرارداد میں ذکر کردہ اصولی شرائط کے بعد اس کے جواز میں کوئی مانع معلوم نہیں ہوتا؛ البتہ سروس، صیانت اور متعلقہ امور میں پائی جانے والی جہالت وغرر کو دور کرنے کے لیے یا کم از کم کرنے کے لیے جو شرائط ڈاکٹر احمد الجبی نے ذکر کئے ہیں ان کی رعایت بھی کر لی جائے تو مناسب ہوگا، جو ذیل میں مندرج ہیں:

عقد صیانت میں قابل لحاظ امور

(۱) جس چیز کی صیانت مطلوب ہے اس کی تعیین کہ وہ آلہ ہے یا زمین ہے یا کوئی اور چیز ہے؛ یہ تعیین اس کے اوصاف بیان کرنے سے ہو یا اس کی طرف

اشارہ کرنے سے ہو۔

تعيين الشئ المتفق على صيانته آلة أم عقارا أم غيرهما بصفة أو بالاشارة اليه.

(۲) مطلوبہ صیانت کی نوع کی اس قدر وضاحت کہ وہ باہمی نزاع کے لیے مانع بن سکے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس فن کے ماہرین کچھ شرط لگائیں اوراس کے خاص اوصاف بھی بیان کرے۔

تعيين نوع الصيانة المطلوبة بدقة تمنع إثارة النزاع وذلك بتحديد شروط ومواصفات خاصة ينص عليها فى العقد، يحددها الخبراء.

(۳) عقد صیانت کا دورانیہ مقرر کیا جائے کہ وہ ہفتہ بھر کے لئے ہوگا یا مہینہ کے لئے ہوگا یا سال کے لئے اور یہ بھی متعین ہو کہ صیانت کن صورتوں کو شامل ہوگی اور کس طرح کی ہوگی؟

تعيين فترات الصيانة الدروية أسبوعيًا أو شهريًا او سنويًا..... وشكلها وطبعتها۔

(۴) کام کرنے والے شخص انجینئر یا فنی ماہر کے کام کے معیار کی وضاحت اور آدمی کی تعیین ہو سکے تو بہت درست ہوگا۔

تعيين وصف ورتبة العامل الذى يقوم بها أو عاملا فنيا .... فاذا أمكن تحديده بشخصه كان أولى.

(۵) اجرت، اس کے دینے، ہر دفعہ ادا کرنے اور ادائیگی کی جگہ کی تعیین کی

جائے۔ اور اگر اجرت قسط وار ادا کرنی ہے تو ہر قسط کی تاریخ بھی متعین کر دی جائے۔

تحديد أجرة الصيانة وطريقة دفعها وتاريخ كل دفعة ومكان الدفع.

(٦) معمول کے عرصہ کے بعد دوبارہ ہونے والی صیانت میں جن مواد کا استعمال ہونا لازمی ہوتا ہے، جیسے گریس اور آئل (OIL) لگانا وغیرہ.....اور ان چیزوں کے محل استعمال کی وضاحت کی تعیین ضروری ہے، اور یہ انہیں چیزوں سے متعلق ہوتی ہے جن کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ استعمال میں آتی رہتی ہیں۔

تحديد المواد اللازمة الدورية كالشهوم والزيوت........ والجهة التى عليها أن توفرها وذلك محصور بما هو مظنون الحاجة اليه غالبًا۔ (عقود الصيانة للجعى :١٢)

مروجہ عقد صیانت کی صورتوں میں ان اصول اور ضمنی شرائط کا لحاظ کیا جائے تو جہالت اور غرر کا ازالہ ہوسکتا ہے، یا غرر کم ہوسکتا ہے اور غرر یسیر معاملات میں برداشت کرلیا جاتا ہے خصوصا جبکہ موجب نزاع نہ ہو۔

جیسا کہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہے:

وقد يجوز أن يحمل العقد لليسير من الغرر دون الكثير منه ألاترى أنا نجوز شراء أحد الثياب الثلاثة على أنه بالخيار فيها ثم لايجوز ذلك فى الأربعة .(مبسوط : ١٧/١٣)

اسی طرح علامہ ظفر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل أن الجهالة اليسيرة عفو في ماجرى به التعامل لكونها لاتفضي إلى النزاع عادة.(اعلاء السنن:٢٠٧/١٦)

نوٹ: اس موضوع کی ترتیب میں بندہ نے ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی کی تصنیف ''مالی معاملات پر غرر کے اثرات'' سے خصوصًا استفادہ کیا ہے۔

بيع الاستغلال

بیع الاستغلال یہ ہے کہ بائع مشتری سے 'بیع بالوفاء' کرے پھر مشتری سے وہی چیز اجرت پر لے لے۔

جن حضرات نے 'بیع بالوفاء' کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے، وہ اس اجارہ کی اجازت نہیں دیتے، اور جن حضرات نے 'بیع بالوفاء' کو جائز کہا ہے وہ اس اجارہ کی بھی اجازت دیتے ہیں۔

فإن آجر وفاءً من البائع فمن جعله فاسدا قال: لا تصح الإجارة ولايجب شئ ... ومن جعله رهنا كذلك لم يلزم البائع الأجر ومن أجازه جوّز الإجارة من البائع وغيره وأوجب الأجر. (بزازية على هامش الهنديه: ٤١٣/٤)

بیع الاستغلال کے جواز کی دو شرطیں۔

(۱) صلب عقد میں بیع کا اعادہ یا اجارہ پر لینا مشروط نہ ہو۔

(۲) شئ مستأجرہ مدت اجارہ کے دوران موجر کے ضمان میں رہے گی، اسی

وجہ سے مستأجر کی تعدی کے بغیر چیز ہلاک ہوتو موجر کے مال سے ہلاک سمجھی جائے گی۔

ولا شك أن الحكم بصحة الإجارة إنما يصح على المذهب المفتى به للحنفية إذا لم يكن البيع مشروطا فى صلب العقد و كذلك الحكم بصحة الإجارة يستلزم أن تكون العين الموجرة فى ضمان الموجر طوال مدة الإجارة فإن هلكت بغير تعد من المستاجر فإنها تهلك من مال الموجر (فقه البيوع: ۵۲۳/۱)

اگر بیع میں وفاء کی شرط نہ ہو؛ بلکہ مشتری نے عقدِ بیع سے الگ وعدۂ وفا کیا ہو، نیز اجارہ کی شرط بھی بیع میں نہ ہو بلکہ بلاشرط ازسرِنو آپسی رضامندی سے اجارہ کا معاملہ کیا جائے تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ مشتری اولاً مبیع پر قبضہ کرے پھر بائع کو اجرت پر دے۔

أما إن وقع البيع بدون شرط الوفاء ولكن وعد المشترى بالوفاء منفصلا عن عقد البيع ولم يشترط الإجارة فى البيع ثم استأجر البائع المبيع بدون شرط سابق فهو جائز بشرط أن يقبض المشترى المبيع اوّلًا ثم يؤجر الى البائع۔(فقه البيوع:۱۱۵۵/۲)

البیع الایجاری

Hire-purshase

بیع الایجاری کی حقیقت یہ ہے کہ چیز کا مالک اپنی چیز مستأجر کو اس شرط کے ساتھ اجارہ پر دے کہ اجرت کی تمام قسطوں کو ادا کرنے کے بعد مستأجر مزید ثمن ادا کئے بغیر اس چیز کا مالک بن جائے گا۔ گویا کہ قسط وار اجرتوں کا مجموعہ ہی ثمن بن جائے گا۔ پس یہ عقد اپنی ابتداء کے اعتبار سے تو اجارہ اور انتہاء کے اعتبار سے بیع ہے۔

یہ اس کی مختصر حقیقت ہے، ورنہ اس کی تعریف کی بابت شدید اختلاف ہے؛ لیکن اس کے موجودہ عرف کو دو شکلوں میں سمجھا جا سکتا ہے۔

البیع الایجاری کی تعریف سے متعلق دو نقطہ نظر

اول: یہ ایسا عقد ہے جسے متعاقدین عقد اجارہ سے تعبیر کرتے ہیں اور قسط وار ثمن کو قسط وار اجرت سے تعبیر کرتے ہیں، پھر دونوں اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ مشتری جب ان قسطوں کو مکمل ادا کرے گا تو یہ اجارہ بیع میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور مشتری بیع کا مالک بن جائے گا۔

اس صورت کی شرعی حیثیت کو دیکھا جائے تو سب سے پہلے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عقد اپنی حقیقت کے اعتبار سے بیع اور اجارہ؛ دونوں کی صفت کو لئے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ ابتداء سے لے کر ایک مدت تک اجارہ اور اس مدت کے

بعد یہی عقد بیع میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

شریعت میں مبیع اور ثمن کی جہالت کو برداشت نہیں کیا جاتا، جبکہ یہاں نفسِ عقد ہی مجہول ومتردد ہے، لہٰذا یہ معاملہ باطل اور ناجائز ہوگا۔

الصورة الأولى : ما عرفها الأستاذ السنهوری رحمه الله تعالى بقوله : يصف المتعاقدان العقد بأنه إيجار ويصفان أقساط الثمن بأنها هی الأجرة مقسطة ثم يتفقان على أنه إذا أوفىٰ المشتری بهذه الأقساط انقلب الايجار بيعًا وانتقلت ملكية المبيع باتة إلى المشتری۔۔۔ (الوسيط :٤/ ١٧٧ ،فقه البيوع : ١/ ٥٢٤)

أما الصورة الأولى: فهی ظاهرة البطلان شرعًا لأن العقد صار مشروعاً بين البيع والإجارة فهو إجارة إلى مدة معلومة ويعتبر نفسه بيعًا بعد تلك المدة۔۔۔ و إن الشريعة لا تحتمل الجهالة فی المبيع و الثمن فضلا أن تحتملها فی طبيعة العقد نفسها (فقه البيوع :١/ ٥٢٤)

دوم: متعاقدین اس شرط کے ساتھ کسی چیز پر اجارہ کا معاملہ کرے کہ متعینہ مدت کی اجرت اس چیز کی عام قیمت تک پہنچ جائے تو مستأجر کو اس بابت اختیار ہوگا کہ اجارہ فسخ کر دے اور چیز لوٹا دے یا اب تک کی ادا شدہ اجرت کے عوض یا آپسی رضامندی سے زائد رقم دے کر اسے خرید لے۔

اس صورت کی شرعی حیثیت کے حوالہ سے غور کریں تو دو خرابیاں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) سابقہ صورت کی طرح یہاں بھی یہ خرابی ہے کہ قسط وار اجرت متعینہ

مدت کے بعد قسط وار ثمن بن جائے گا اور عقد اجارہ بیع میں تبدیل ہو جائے گا۔

(۲) مدتِ اجارہ کے اختتام پر مشتری کو مذکورہ اختیار ملنا عموماً صلب عقد میں صراحت کے ساتھ بطور شرط ذکر کیا جاتا ہے اور اس طرح کی شرط یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لہٰذا یہ عقد درست نہ ہوگا؛ لیکن اس اختیار کا صلب عقد میں ذکر نہ ہو اور بعد میں متعاقدین اس طرح کا معاہدہ کر لے تو درست ہو سکتا ہے۔

والصورة الثانية ماعرف فى القانون الانكليزى بأنه إجارة عين مع الاتفاق بين الطرفين على أن اجمالى الأجرة المدفوعة الى مدة معينة إن بلغت قيمة الشراء المتفق عليها فى العقد فإن المستأجر يكون بالخيار بين أن يفسخ الإجارة و يرد العين و بين أن يشتريها من الموجر إما مقابل مادفعه من الأجرة أو بدفع مبلغ متفق عليه....... فإن تخيير المشترى بالشراء فى نهاية مدة الإجارة تكون عادةً بالنص فى عقد البيع فهو شرط مخالف لمقتضٰى العقد فلا يجوز من هذاالوجه والتعريف الذى ذكرناه عن القانون الانكليزى يسيغ للعاقدين أن يعتبر الأجرة المدفوعة ثمنا لشراء العين وحينئذ يعود نفس المحظور الذى كان فى الصورة الأولى حيث إن دفعات الأجرة تنقلب ثمنًا للبيع اللاحق وينقلب العقد كله بيعاً بعد ماعقد فى البداية إجارة وهذا سبب ثان لفساد العقد من الناحية الشرعية۔(فقه البيوع: ۵۲۵/۱)

الإجارة التمويلية

Finacing Lease

بیع الایجاری کی ایک اور رائج شکل یہ ہے کہ مالیاتی ادارہ کوئی رقبہ یا گاڑی یا ضروری مشنریاں اپنی ملک میں باقی رکھتے ہوئے مخصوص افراد کو اجرت پر دیتا ہے، مستأجر حسب عقد مدتِ اجارہ کے دوران اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور مدت کے اختتام کے بعد اگر مستأجر نے اجرت کی تمام اقساط مکمل ادا کردی ہیں تو وہ ان اثاثوں کا مالک بن جاتا ہے۔ ایسے معاملات میں عموماً موجر کی طرف سے اجرت کی مقدار اور اقساط اتنی طے کی جاتی ہیں، جس میں اصل سرمایہ اور اس پر حاصل ہونے والے ممکنہ سودی نفع کی مقدار بھی اس کو مل جائے۔ ظاہر ہے کہ اصل سرمایہ اور متوقع منافع وصول ہونے کے بعد مالیاتی ادارے کو ان اثاثوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوگی۔ دوسری طرف مستأجر یہ چاہتا ہے کہ اس متعینہ مدت میں اس نے بشکل اجرت اتنی رقم ادا کردی ہے جتنی کہ اس کی بازاری قیمت خریدنے کے وقت ادا کرنی رہتی ہے، لہٰذا یہ اثاثے اس کے پاس ہی رہنے چاہئے۔ اسی وجہ سے بلا ثمن ادا کئے یا برائے نام ثمن ادا کرکے مستأجر ان اثاثوں کا مالک بن جاتا ہے۔

لیکن اس صورت میں موجر شئ مستأجرہ کا مالک ہونے کے باوجود کوئی بوجھ اور ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتا۔ چاہے مصارف اساسی ہو یا عادی؛ بلکہ تمام حالات میں مستأجر ہی ہر طرح کے مصارف کا ذمہ دار ہوتا ہے، اسی وجہ سے شئ

مستاجرہ اگر مدت اجارہ میں ہلاک ہو جائے خواہ اس میں مستأجر کی طرف سے کوئی کوتاہی اور تعدی نہ پائی جائے، تو بھی اجارہ جاری سمجھا جاتا ہے اور مستأجر حسب وعدہ عقد میں طے شدہ مدتوں پر اجرت ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

اس عقد کے رواج کا پس منظر

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہ اس صورت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فقہ البیوع میں فرماتے ہیں:

قرض کے عام طریقوں میں مالیاتی ادارے قرض خواہ سے کوئی چیز بطور رہن مطالبہ کرتے ہیں اور پھر جب قرض خواہ قرض ادا کرنے سے عاجز ہو جائے یا ٹال مٹول کرے تو رہن کو بیچ دیتے ہیں، اس طرح رہن لینے اور پھر اس کو رکھنے میں بہت سی پیچیدہ قانونی کارروائی سے گذرنا پڑتا ہے، جو بہت سی مرتبہ مہنگی بھی ہوتی ہیں، اس لیے یہ نیا طریقہ ایجاد کیا کہ ادارے سے دیئے گئے قرض سے خریدی ہوئی چیز کی ملکیت ادارہ اپنے نام رکھتا ہے، تاکہ اس کو ضرورت پڑنے پر بیچنے کا اختیار اور امکان ادارے کے پاس رہے، اور سرکاری ٹیکس اور دیگر اخراجات بھی بہ حیثیت مستأجر قرض خواہ ادا کرتا رہے، اور اس طرح ادارہ ان مصارف سے بھی جان چھڑا لیتا ہے۔

والواقع أن الإجارة التمويلة بهذا الشكل طريق من طرق الأقراض الربوی والعادة فی القروض الربوية من قبل المؤسسات أنها تطالب برهن من المقترض توثيقًا للدين ولكن إن تخلّف المقترض

عن السداد احتاجت المؤسسات إلى تسييل الرهن وإن ذلك يتطلب اجرآت قانونية و تفاديا لهذه الاجرآت اتخذت هذا الطريق لئلا تكون العين عندهم بصفتها مرهونة بل تحتفظ بملكيتها وامكان بيعها فى السوق دون اتخاذ إجرآت قانونية لتسييل الرهن و كذلك قد يفيدهم هذا الطريق لتخفيف الضرائب فى بعض السلطات ولكن صاغوا هذا العقد بأن يحتفظوا بحق الملك و يتعدوا عن جميع الاخطار والضمانات التى هى تتبع الملك فى عامة الأحوال وأجازتهم السلطات القانونية۔ (فقه البيوع: ٥٢٦/١)

فائدہ:

مزید وضاحت کے لیے ذیل میں اس وقت جاری تمویلی اجارہ (Financial leace) اورشرعاً جائزعملی لیز میں بنیادی فرق کوواضح کیا جاتا ہے:

بیع کے برعکس اجارہ مستقبل کی تاریخ سے بھی نافذ العمل ہوسکتا ہے، لہٰذا فارورڈ سیل تو شرعاً ناجائز ہے، لیکن مستقبل کی کسی تاریخ کی طرف منسوب اجارہ جائز ہے، اس شرط کے ساتھ کہ کرایہ اس وقت واجب الادا ہوگا جبکہ اجارہ پر دیا گیا اثاثہ مستأجر (Lessee) کے ذریعہ سپرد کردیا جائے۔

تمویلی اجارہ کی بہت سی صورتوں میں موجر یعنی مالیاتی ادارہ اس اثاثے کو خود مستأجر کے ذریعہ خریدتا ہے، مستأجر وہ چیز موجر کی طرف سے خریدتا اوراس کی

قیمت فراہم کنندہ (Sapplier) کو ادا کرتا ہے، کبھی تو یہ قیمت براہِ راست اسے ادا کر دیتا ہے، اور کبھی مستأجر کے ذریعہ سے۔ ایسی لیز کے بعض معاہدوں میں لیز اسی دن شروع ہو جاتی ہے جس دن موجر قیمت ادا کرتا ہے، قطع نظر اس سے کہ مستأجر نے وہ قیمت آگے اثاثہ فراہم کنندہ کو ادا کر دی ہے اور اس چیز یا اثاثہ پر قبضہ حاصل کر لیا ہے یا نہیں؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مستأجر کے اجارہ پر لی جانے والی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی اس پر کرایہ کی ذمہ داری شروع ہو جاتی ہے، یہ شرعا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ کلائنٹ کو دی جانے والی رقم پر کرایہ لینے کے مترادف ہے، جو کہ سادہ اور خالص سود ہے، شرعا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کرایہ اس تاریخ سے لیا جائے جس دن سے مستأجر نے اجارہ والے اثاثے پر قبضہ کیا ہے، اس تاریخ سے نہیں جب سے قیمت ادا کی گئی ہے، اگر فراہم کنندہ رقم وصول کرنے کے بعد اس چیز کی سپردگی میں تاخیر کرتا ہے تو مستأجر تاخیر کی اس مدت کے کرایہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(ماخوذ ''اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۵: ۱۲۹۔۱۳۱'')

اجارہ تمویلیہ کی شرعی حقیقت اور حکم

شریعت اسلامی میں اس طرح کا عقد بے اصل اور حرام ہے اس کی دو وجہ ہیں۔

(۱) موجر (مالی ادارہ) شئ مستأجرہ کا مالک ہے اور مملوکہ شئ حالتِ اجارہ میں بھی اپنے مالک کے ضمان میں رہتی ہے، نیز عقد اجارہ کے بعد مستاجر کا قبضہ امانت تصور کیا جاتا ہے، لہٰذا شرعی حیثیت سے صرف تعدی اور کوتاہی کے سبب اس

پر ضمان آئے گا، جب کہ اس عقد میں ادارہ کی ملکیت ہونے کے باوجود چیز کے عادی اوراساسی مصارف کی ادائیگی سب مستأجر کے ذمہ رہتی ہے جو اجارہ کے قوانین شرعیہ کے خلاف ہے۔

(۲) شئ مستأجرہ کے ہلاک ہونے کے بعد مستأجر کو حسب وعدہ طے شدہ قسط وار اجرت ادا کرنے کا مکلّف بنانا بے مطلب اور زیادتی ہے کیوں کہ اجرت منفعت کا عوض ہے، اب منفعت نہیں تو اجرت کا کیا معنیٰ؟

اس پر اقتصادی اعتبار سے غور کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موجر بہر صورت نفع میں رہتا ہے، جبکہ مستاجر کے ہاتھ کچھ نفع بھی لگ جائے تو بھی بلاوجہ کی زیادتی ضمان کی شکل میں برداشت کرنی پڑتی ہے، یہ مزاج سرمایہ دارانہ نظام کا تو ہوسکتا ہے، لیکن مزاج شریعت یہ نہیں بلکہ شریعت میں تو ہر معاملہ کے دونوں فریق کو یکساں طور پر دیکھا جاتا ہے۔

وأن هذا الطريق غير مقبول فی الشريعة الاسلامية اطلاقًا فإن الموجر بصفته مالكا للعين يجب عليه أن يتحمل ضمان العين وأن يد المستاجر يد أمانه فلا يضمن الهلاك إلا بتعد منه أو تقصير بسوء استخدامه للعين المؤجرة وكذلك لا معنى لدفع الأجرة بعد هلاك العين وفقدان المنفعة التی كانت مقابلة للأجرة (فقه البيوع: ۱/ ۵۲۵)

تملیک پر منتج ہونے والا اجارہ

اس عقد کی نوعیت یہ ہے کہ چیز کو اجارہ پر دیتے وقت عقد میں بیع کی شرط نہ

لگائی جائے، البتہ اس کے بعد موجر یک طرفہ وعدہ کرلے کہ اگر مستأجر پابندی سے اجرت اپنے اوقات پر ادا کرتا رہا تو یہ چیز آپسی رضامندی سے بعوض ثمن مشتری کو فروخت کردی جائے گی، اس شرط پر کہ مدت اجارہ کے دوران اس پر اجارہ کے تمام احکام جاری ہوں گے، بایں طور کہ تعدی اور تقصیر کے بغیر چیز ہلاک ہوگئی تو موجر کے مال سے ہلاک سمجھی جائے گی اور اس کے بعد کسی بھی طرح کی اجرت مستأجر پر واجب نہ ہوگی؛ اور مستأجر کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی تو وہ ہلاک شدہ چیز کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

اس طریقہ کو إجارة و اقتناء بھی کہا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں (مجمع الفقہ الاسلامی الدولی) میں جائز اور ناجائز صورتوں اور ان کے لیے بطور ضابطہ جو قرارداد پاس ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

جواز کی صورتوں کا ضابطہ

جواز کی صورتوں کا ضابطہ یہ ہے کہ: (۱) دونوں عقد (اجارہ اور بیع) اس طور پر الگ الگ ہوں کہ عقد اجارہ کے ختم ہونے کے بعد عقد بیع کرلیا جائے، یا تملیک کا وعدہ ہی اجارہ کی مدت کے اختتام پر کیا جائے۔ احکام میں خیار اور وعدہ مساوی ہیں۔

وجود العقدين منفصلين يستقل كل منهما عن الآخر زمانا بحيث يكون ابرام عقد البيع بعد عقد الاجاره او وجود وعد بالتمليك فى نهاية مدة الإجارة والخيار يوازى الوعد فى الأحكام۔

(۲) عقد اجارہ بالفعل مقصود ومراد ہو بیع کے لئے آڑ اور بہانے کے طور پر نہ ہو۔

أن تكون الإجارة فعليه وليست ساترة للبيع.

(۳) اجرت پر دی ہوئی چیز مالک کی ضمانت میں ہو؛ مستأجر کے ضمان میں نہ ہو۔ چنانچہ مستأجر کی تعدی یا زیادتی کے بغیر چیز کو لاحق ہونے والا نقصان موجر ہی برداشت کرے گا اور اجرت پر دی ہوئی چیز کی منفعت کے فوت ہونے کی صورت میں مستأجر پر کچھ لازم نہ ہوگا۔

أن يكون ضمان العين الموجرة على المالك لا على المستأجر وبذلك يتحمل المؤجر ما يلحق العين من ضرر غير ناشئ من تعدى المستاجر أو تفريطه ولا يلزم المستاجر بشئ إذا فاتت المنفعة.

(۴) اگر یہ عقد اجرت پر دی ہوئی چیز کی حفاظت کے بیمہ پر مشتمل ہو تو وہ اسلامی تعاونی بیمہ ہونا چاہئے، تجارتی بیمہ نہ ہو، بیمہ کے مصارف موجر ہی برداشت کرے گا مستأجر نہیں۔

اذا اشتمل العقد على تامين العين الموجرة فيجب أن يكون التامين تعاونيا إسلاميا لا تجاريا ويتحمله المالك الموجر وليس المستأجر۔

(۵) اجارہ کی مدت کے دوران چیز کے غیر استعمالی مصارف موجر پر ہوں گے مستأجر پر نہیں۔

تكون نفقات الصيانة غير التشغيلية على الموجر لا على

المستاجر طوال مدة الإجارة

عدم جواز کا ضابطہ

یہ ہے کہ: دو الگ الگ عقد (اجارہ وبیع) ایک ہی چیز پر ایک ہی وقت اور زمانہ میں کئے جائیں۔

(أ) ضابط المنع :أن يرد عقدان مختلفان فی وقت واحد علی عين واحدة فی زمن واحد .

(۱) ایسا عقد اجارہ جس کے اختتام پر متعینہ مدت کی اجرت کے عوض مستأجر شئ مستاجرہ کا مالک بن جائے اور نیا عقد بھی نہ کرے، بایں طور کہ مدت کے اختتام پر عقد اجارہ ہی بیع بن جائے۔

من صور العقد الممنوعة :عقد إجارة ينتهى بتملك العين الموجرة مقابل ما دفعه المستاجر من أجرة خلال المدة المحددة دون ابرام عقد جديد بحيث تنقلب الإجارة فی نهاية المدة بيعًا تلقائياً.

(۲) کسی شخص کے ساتھ متعینہ اجرت کے عوض متعینہ مدت پر کسی چیز کا اجارہ کرنا اور ساتھ ساتھ ہی عقد بیع بھی کرنا جو متعینہ مدت میں قسط وار اجرت کی درستگی کے ساتھ ادا کئے جانے پر موقوف ہو یا تو مستقبل کی کسی تاریخ پر موقوف ہو۔

إجارة عين لشخص بأجرة معلومة ولمدة معلومة مع عقد بيع له معلق على سداد جميع الأجرة المتفق عليها خلال المدة المعلومة أو مضاف الى وقت فی المستقبل.

(۳) عقد اجارہ اور بیع ساتھ ساتھ کر لئے جائیں اور عقد بیع کے تحت موجر کے لئے خیار شرط رکھا جائے جو مدت اجارہ کے اختتام تک دراز اور محیط ہو۔

عقد إجارة حقيقي و اقترن به بيع بخيار الشرط لصالح المؤجر و يكون مؤجلًا إلى أجل طويل محدد (هو آخر مدة عقد الايجار) (فقه البيوع :١/ ٥٢٦ ـ ٥٢٨) هكذا فى المعايير الشرعية : ٢٥٣ـ٢٥٥)

قفیز الطحان اور اس کے نظائر کا بیان

اجارہ میں میں اجرت کی تعیین کی جن صورتوں کو ناجائز کہا جاتا ہے ان میں سے ایک صورت ایسی چیز کو اجرت بنانا ہے جو خود عامل یا اجیر کے عمل سے وجود میں آئے۔اسے فقہی اصطلاح میں الإجارة بجزء من العمل (جز وعمل کو اجرت بنانے) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس کے جواز اور عدم جواز پر بہت سی فقہی صورتوں کا حکم موقوف ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

هذا أصل كبير يعرف به فساد كثير من الإجارات لاسيما فى ديارنا. (هدايه : ٣ / ٣٠١)

دراصل یہ اصطلاح بھی قفیز الطحان سے ماخوذ ہے،قفیز ایک پیمانہ تھا جس سے چیزوں کی مقدار متعین کی جاتی تھی ۔اور طحان کے معنی ہے آٹا پیسنے والا۔ رواج یہ تھا کہ لوگ گندم پیسنے والے کو گیہوں وغیرہ دیتے اور کہتے کہ اس میں سے اتنے فیصد تمہاری اجرت ہوگی ، حدیث میں اس طرح معاملہ کرنے سے منع فرمایا

ہے:

عن هشام أبى كليب عن ابن أبى نعم البجلى عن أبى سعيد الخدريؓ قال : نهى عن عسب الفحل وعن قفيز الطحان، أخرجه الدار قطنى (ص: ٣٠٨) من طريق عبيد الله ابن موسى عن سفيان عن هشام وسكت عليه وقال الذهبى فى الميزان" هذا منكر، ورواية هشام لايعرف وقال ابن حجر فى " اللسان" ذكره ابن حبان فى " الثقات" وقال فى " الدراية" بعد إخراج الحديث فى اسناده ضعف وقال مغلطائى : هشام ثقة (نيل الأوطار:٥/ ١٦٩) وفى التلخيص: ٢/ ٢٥٥) قال المغلطائى : هو ثقة فينظر فى من وثقه ثم وجدته فى ثقات ابن حبان (اعلاء السنن : ١٦ / ١٨١ـ١٨٤)

قفیز طحان کے متعلق مذاہب فقہاء

حنفیہ شافعیہ کے یہاں جز وعمل کو اجرت بنانا درست نہیں، جبکہ حنابلہ و مالکیہ کے یہاں اس وقت درست نہیں جبکہ اس طرح اجرت طے کرنا جہالت ونزاع کا باعث ہو۔

(ولو دفع غزلا لينسجه بنصفه) أى بنصف الغزل (أو استأجر بغلا ليحمل طعامه ببعضه أو ثورا ليطحن بره ببعض دقيقه) فسدت فى الكل لأنه استأجره بجزء من عمله والأصل فى ذلك نهيه صلى الله عليه وسلم عن قفيز الطحان. (تنوير مع الدر : ٩/ ٧٩)

ومنها أن لاينتفع الأجير بعمله فإن كان ينتفع به لم يجز لأنه

حينئذ يكون عاملا لنفسه فلا يستحق الأجر ـــ وعلى هذا يخرج ما إذا استأجر رجلا ليطحن له قفيزا من حنطة بربع من دقيقها أو ليعصرله قفيزا من سمسم بجزء معلوم من دهنه أنه لايجوز، لأن الأجير ينتفع بعمله من الطحن والعصر ، فيكون عاملا لنفسه .(بدائع :٤/ ٤٦)

وحاصله انه إذا كان قفيز الدقيق من هذا القمح بعينه هو الأجر ، و لا يقدر عليه المستاجر إلا بفعل الطحان فكان المستأجر عاجزا عن التسليم ألبتة فلا يجوز الإجارة كذلك.(اعلاء السنن: ١٦/ ١٨٢)

وبالجملة : فالذى يظهر من راجح مذهب المالكية والحنابلة أن مجرد كون الأجرة من عمل الأجير لايصلح علة لعدم الجواز عندهم وإنما يتوجه المنع إذا كان ذلك يؤدى الى جهالة فى الأجرة؛ (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة : ٢/ ١٤١)

عدم جواز کے قائلین کی دلیل حضرت ابوسعید خدریؓ کی سابقہ روایت ہے جس میں قفیز الطحان کی ممانعت وارد ہوئی ہے،لیکن محدثین نے اس کی سند پر کلام کیا ہے،بعض محدثین نے اس حدیث میں' نهى عن قفيز الطحان ' کے الفاظ کو ایک راوی عبید اللہ کی زیادتی کہا ہے ،اسی طرح ہشام ابوکلیب پر محدثین کو کلام ہے، اس اعتبار سے دکھا جائے تو اس سے استدلال میں قدرے ضعف معلوم ہوتا ہے،لیکن امام طحاوی نے ہشام کی متابعت میں عطاء ابن سائب سے اس روایت کو نقل فرمایا جس کی سند درست اور عمدہ ہے، اس لحاظ سے یہ روایت قابل استدلال ٹھہرتی ہے،جیسا کہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

أقـول : الـحـديـث احتج به الحنفية والشافعى و مالك والليث على عدم جواز أن تكون الأجرة بعض المعمول بعد العمل وطعن فيه المخالفون بالنكارة وجهالة الراوى، والجواب أن النكارة امر يختلف باختلاف الاجتهاد فيكمن أن الحديث منكر عند بعض دون بعض وكذا الجهالة تختلف باختلاف الأشخاص فيمكن أن يكون الراوى مجهولًا عند بعض دون بعض فطعن البعض ليس بحجة على غيره ومعنى قفيز الطحان عندنا أن يجعل صاحب الطعام للطحان قفيزا مما يطحن أجرة لطحنه........ قال العبد الضعيف ولم ينفرد به هشام بل تابعه عطاء بن السائب عند الطحاوى فى "مشكله" قال حدثنا سليمان بن شعيب الكيسانى حدثنا أبى حدثنا أبو يوسف عن عطاء بن السائب عن ابن أبى نعيم عن بعض أصحاب البنى ﷺ أنه نهى عن عسب التيس وكسب الحجام و قفيز الطحان (٣٠٦٤٢) وهذا سند جيد...... قلت ولكن الطحاوى ذكره مرفوعًا مسندًا من وجهين فزال الاشكال وارتفع القيل والقال و ثبت صحة الحديث لمجيئته من وجهين يشيد أحدهما الآخر ولله الحمد. (اعلاء السنن ١٨٢/١٦:)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ گو اس روایت پر کلام کی گنجائش ہے، تاہم یہ پایۂ اعتبار سے گرتی بھی نہیں، دوسرے امام طحاوی نے مشکل الآثار میں عطا ابن سائب کی متابعت سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور مولانا

ظفر احمد عثمانی نے اس کی سند کو قابل قبول قرار دیا ہے۔

البتہ جن حضرات نے اس اصول کو کہ 'عامل کے عمل کو اجرت نہیں بنایا جا سکتا' نہیں مانا ہے، ان کے پیش نظر بھی بعض اہم باتیں ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اول: یہ کہ علاوہ اس کی سند کے محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہونے کے ساتھ اس کا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہونا بھی مشکوک ہے۔ بیہقی کی روایت میں مذکورہ روایت کو حضرت ابوسعید خدریؓ کے قول کی حیثیت سے نقل کیا گیا ہے، البتہ بیہقی نے عطاء بن سائب کے واسطے سے عبدالرحمٰن بن ابی نعیم سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا؛ لیکن اس کی سند متصل نہیں ہے، دار قطنی نے بھی اس کو حضرت خدریؓ کے قول کی حیثیت سے ہی ذکر کیا ہے، اس لئے ابن قطان نے کہا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت مجہول کے صیغہ سے منقول ہے۔ 'نُهِی' (منع کیا گیا ہے) آگے تحریر فرماتے ہے کہ:

گو امام طحاوی نے ''مشکل الآثار'' میں اس روایت کو دو سندوں سے مرفوع نقل کیا ہے یعنی اس کی سند کو حضور تک پہنچایا ہے جن میں بعض ایسے راوی بھی ہیں جو محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہیں مگر اکثر راویوں کا اس کو حضرت ابوسعید خدریؓ کے قول کی حیثیت سے یا مجہول کے صیغہ سے نقل کرنا، بعض راویوں کے اس حدیث کو ''مسند'' نقل کرنے کو مشکوک کر دیتا ہے اور اس حدیث کے معلول ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔

دوم: یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث میں اس صورت کی ممانعت مقصود ہو جبکہ

مقدار اور تعداد مقرر نہ کی جائے کہ آٹا پیسنے والے (طحان) کو کتنے قفیز اجرت کے طور پر دیئے جائیں گے، اس صورت میں اجرت کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ درست نہ ہوگا اور اگر مقدار متعین کر دی جائے اور اجرت واضح ہو جائے تو اب معاملہ درست ہو جائے گا۔ (ماخوذ از جدید فقہی مسائل: ۳۲۵/۴)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت گرچہ قابل استدلال ہے تاہم معنی آخر کا احتمال بھی رکھتی ہے، پس قفیز طحان اوراس کے نظائر کی ممانعت پر بھی ایک گونہ ثبوت کے اعتبار سے ضعف رہے گا۔

جواز کے دلائل

مالکیہ وحنابلہ کے یہاں یہ حدیث سند کے اعتبار سے چونکہ کمزور ہے اسی وجہ سے اس سے عدم جواز ثابت نہیں کیا گیا۔ یا حدیث کا محمل وہ صورت ہے جس میں اس طرح کی تعیین سے اجرت کی جہالت ثابت ہوتی ہو یا اجرت ادا کرنے کے بعد مابقیہ آٹے کی مقدار کی جہالت رہتی ہو۔

وقال الحنابله والمالكيه : يجوز ذلك إذا كان الكيل معلوما و الحديث لم تثبت صحته عندهم(الفقه الاسلامى وأدلته: ٤/ ٥٤٠)

فالذى يظهر من راجح مذهب المالكية والحنابلة أن مجرد كون الأجرة من عمل الأجير لايصلح علة لعدم الجواز عندهم وإنما يتوجه المنع إذا كان ذلك يؤدى الىٰ جهالة فى الأجرة : فلعلهم لم يثبت عندهم حديث النهى عن قفيز الطحان أو حملوه علىٰ مايؤدى إلى الجهالة إما فى الأجرة أو فيما يبقى من المطحون بعد دفع

الأجرة۔(بحوث فی فقهية معاصره : ٢/ ١٤١ ـ١٤٢)

مذکورہ ممانعت حدیث سے دلالتاً ثابت ہے یا قیاساً

ہدایہ کے شراح نے اس کے متعلق بحث فرماتے ہوئے اسے دلالتاً ثابت مانا ہے، نیز صاحب عنایہ یہ بات بھی تحریر فرماتے ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ دلالتاً ثابت ہے، تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کے مروجہ معاملات کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے؟ جیسا کہ مشائخ بلخ نے اس کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ آگے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: تخصیص ایسے ہی کلام میں ہوسکتی ہے جس میں عموم بھی ہو اور دلالت میں عموم ہوتا ہی نہیں اس لیے اس میں تخصیص کی گنجائش نہیں ہے۔

فان قيل إذا كان عرف ديارنا على ذلك فهل يترك به القياس قلنا لا، لأنه فی معناه من كل وجه فكان ثابتا بدلالة النص ومثله لايترك بالعرف فإن قيل : لا يترك بل يخصص عن الدلالة بعض ما فی معنی قفيز الطحان بالعرف كما فعل بعض مشائخ بلخ فی الثياب لجريان عرفهم بذلك ، قلت الدلالة لاعموم لها حتى يخص عرف ذلك فی موضعه . (عنايه على فتح القدير : ٩/ ١٠٩)

اس سلسلہ میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم دلالتاً ثابت نہیں، بلکہ قیاساً ثابت ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جو چیز دلالت النص سے ثابت ہوتی ہے وہ اس کے لغوی معنی سے ہی سمجھ میں آجاتی

ہے، یعنی آیت کو سن کر ہی ذہن اس معنی کی طرف سبقت کر جائے اسی کو اصطلاح میں التزامی معنی کہتے ہیں، جیسا کہ آیت کریمہ ''لاتقل لھما أف'' کا کلام سن کر ہی ذہن فوراً اس معنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ ہر وہ چیز جس سے والدین کو تکلیف پہنچے آیت کے تحت آ کر ممنوع ہوگی، جبکہ قفیز الطحان کی حدیث کو سن کر ذہن جزء عمل کو اجرت بنانے کے حکم کی طرف منتقل نہیں ہوتا بلکہ فقہاء نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اس اصل کا استنباط کیا ہے، لہٰذا اس کا قیاس ہونا ہی راجح ہے۔

نیز امام طحاوی نے جو کچھ نقل کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس نے آٹا کو اجرت بنایا ہے جو فی الحال اس کے پاس موجود نہیں بلکہ اس کے پیسنے کے بعد ہی اس کا وجود ہو سکے گا، پس اس نے ایک معدوم اور غیر موجود شئ کو اجرت بنایا ہے اور یہ درست نہیں، اسی لئے اس معاملہ سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ ایسی چیزوں کے بیچنے کی ممانعت ہے جو بائع کے پاس بوقت عقد نہ ہو۔ اب اس خاص معاملہ کے علاوہ جہاں کہیں بھی علت پائی جاتی ہے اور غیر موجود شئ کو اجرت بنایا جاتا ہے وہ تمام چیزیں ناجائز قرار پائیں گی۔ (جدید فقہی مسائل: ۳۲۶/۴)

قال الطحاوی: فوجدنا أهل العلم لایختلفون أن معناه ما کانوا یفعلون فی الجاهلیة ومایفعله أهل الجهل إلی یومنا هذا من دفع القمح إلی الطحان علی أن یطحنه لهم بقفیز من دقیقه الذی یطحنه منه فکان ذلك استیجارا من المستاجر بما لیس عنده إذکان دقیق قمحه لیس عنده فی الوقت الذی استأجر وکان فی ذلك ما قد دل أن الاستیجار لایکون بما لیس عند المستاجر یوم یستاجر کما لایکون

الابتياع بما ليس عند المبتاع يوم يبيع من الأشياء التي ليست عنده إلا أن كان كالدراهم و كالدنانيز من ذوات الأمثال التي قد تكون عينا في الذمم ـ(۳۰۷/۱)

وحاصله أنه إذا كان قفيز الدقيق من هذا القمح بعينه هو الأجر و لايقدر عليه المستاجر إلا بفعل قفيز الطحان كان المستاجر عاجزًا عن التسليم ألبتة فلا يجوز الإجارة كذلك كما إذا بيعت عين بعين والعين العوض غائبة معدومة ليست حاضرة ولا موجودة عند البيع فافهم ـ(اعلاء السنن: ۱۶/ ۱۸۲ـ۱۸۳)

بہرحال یہ قیاس ہےاورعرف وتعامل کےسبب قیاس کوترک کردیا جاتا ہے اور جزوعمل کواجرت بنانے کا عام مزاج بن گیا ہےلہٰذا عرف وتعامل کےسبب اس طرح کی تعیین درست قرار پائے گی، جیسا کہ فقہاء نے کاریگروں کے معاملہ میں کہا ہے کہ جوتا ساز کو جوتا کا آرڈر دیا جائے اور خریدی کا معاملہ طے کرلیا جائے تو بوجہ قیاس یہ معاملہ نادرست ہے کیوں کہ بیچنے والا جن جوتوں اور سامانوں کو بیچ رہا ہے وہ ابھی موجود نہیں، لیکن لوگوں کے تعامل عرف اور رواج کی وجہ سے جائز کہا ہے، اسی کو استصناع کہا جاتا ہے۔(ماخوذ از جدید فقہی مسائل:۴/ ۳۲۶)

ومن اشترى نعلا على أن يحذوه البائع أو يشركه فالبيع فاسد قال (المصنف) ماذكره (الماتن) جواب القياس ووجهه مابينا (هوأنه شرط لا يقتضيه العقد) وفي الا ستحسان يجوز للتعامل فيه فصار كصبغ الثوب وللتعامل جوزنا الاستصناع وفي حاشيته تحت

قـوله (فصار كصبغ الثوب) أى استيجار الصباغ لصبغ الثوب فإن فى القيـاس لايـجـوز لان الإجـارـة يبـع المنافع وفيه يلزم بيع العين وهو الـصبغ فلا يجوز كما إذا استأجر بقرة ليشرب ألبانها لكن ترك القياس لـلتـعـامـل فـإن له تاثيرا فى ترك القياس كما فى الاستصناع فإنه بيع المعدوم.(هدايه : ٦٣/٣)

اگر جزء وعمل کے حکم کا دلالتاً ثبوت تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی بطور جواب یہ بات کہی جائے گی کہ نص عام مخصوص منہ البعض ہے، یعنی عرف وتعامل کی وجہ سے نص کی تخصیص کی گئی ہے۔

یہی توجیہ حضرت مولانا مفتی محمد رضاء الحق صاحب دامت برکاتہ نے کی ہے۔(فتاوی دارالعلوم زکریا:۶۴۹/۵)

علامہ شامیؒ عرف تعامل کے ذریعہ نص کی تخصیص کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثـم أعلم أن العرف قسمان : عام وخاص فالعام يثبت به الحكم ويـصـلـح مـخـصـصًـا لـلـقياس والأثر بخلاف القياس..... قال فى الـذخيـرـة فـى الـفـصـل الثامن من الإجارات فى مسألة ما لو دفع إلى حائك غزلًا لينسجه بالثلث ومشائخ بلخ كنصير بن يحى ومحمد بن سـلـمة وغيـرهـما كانوا يجيزون هذه الإجارة فى الثياب لتعامل أهل بـلـدهـم فـى الثياب والتعامل حجة يترك به القياس ويخص به الأثر و تـجـويز هذه الإجارة فى الثياب للتعامل بمعنى تخصيص النص الذى

ورد فـی قـفیز الطحان لأن النص ورد فی قفیز الطحان لا فی الحائك إلا أن الـحـائك نظیره فیکون واردًا فیه دلالة فمتی ترکنا العمل بدلالة هذا النص فی الحائك وعملنا بالنص فی قفیز الطحان کان تخصیصا لا تـرکًـا أصلًا وتـخـصیـص الـنـص بالتعامل جائز ألا تریٰ أنا جوزنا الاستـصـنـاع لـلتـعـامل والاستصناع بیع مالیس عنده وأنه منهی عنه وتجویز الاستصناع بالتعامل تخصیص منّا للنص الذی ورد فی النهی عـن بیـع مـالیس عند الانسان لاترك النص أصلًا لأنا عملنا بالنص فی غیـر الاستـصـناع . قالوا: بخلاف ما لو تعامل أهل بلدة قفیز الطحان فإنـه لایـجوز ولا تکون معاملتهم معتبرة لأنا لو اعتبرنا معاملتهم کان تـرکـا لـلـنـص أصلاً وبـالتعامل لایجوز ترك النص أصلًا وانما یجوز تخصیصه ولکن مشائخنا لم یجوزوا هذا التخصیص لأن ذلك تعامل أهـل بـلـدة واحدة... بخلاف التعامل فی الاستصناع فانه وجد فی البلاد کلّها.(شرح عقود رسم المفتی:۱۸۳ / رسائل ابن عابدین : ۱۱٤/۲)

قـد اتفق مشایخنا فی هذا الزمان فجعلوه بیعا جائزا مفیدا بعض أحـکـامـه، وهـو الانتفاع به دون البعض وهو البیع لحاجة الناس الیه ولتعاملهم فیه، والقواعد قد تترك بالتعامل، وجوز الاستصناع لذلك ، و قال صاحب النهایة، وعلیه الفتوی ـ تبیین الحقائق : ٥/ ١٨٤)

نظائر سے نص کی تخصیص کی تائیدات

بہرصورت چاہے جزو عمل کے حکم کا ثبوت قیاساً مانیں یا دلالتاً؛ تعامل اور

عرف کے سبب اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ نیز دیگر جزئیات ونظائر کو دیکھا جائے تو اس سے بھی اس کی تائید ہو جاتی ہے، مثلاً:

(۱) مزارعت بالثلث اور بالربع کا معاملہ کیا جائے تو اس میں بھی گرچہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق مزارعت باطل ہے، اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور مفتی بہ قول صاحبینؒ کا ہی ہے، اس میں جزو عمل کو بطور اجرت طے کیا گیا ہے، لیکن تعامل وعرف کے سبب جائز کہا گیا ہے۔

قال أبو حنيفة المزارعة بالثلث والربع باطلة وقالا جائزة۔(قدوری : ٤٦٢)

إلا أن الفتوى على قولهما لحاجة الناس اليها ولظهور تعامل الأمة بها والقياس يترك بالتعامل كما فى الاستصناع ۔(هدايه : ٤/ ٤٢٤)

وقالوا الفتوى اليوم على قولهما لحاجة الناس إليها وللتعامل والقياس يترك بمثل هذا النص ورد بخلافه فيعمل به لأنه هو الظاهر عندهما .(بحر الرائق : ٩/ ٢٩٠)

(۲) مساقات میں بطور معاوضہ پھلوں کو طے کیا جائے تو اس میں بھی جزء و عمل کو بطور اجرت طے کیا جاتا ہے، گرچہ امام صاحب کے یہاں عدم جواز ہے البتہ صاحبینؒ کے یہاں اس شرط کے ساتھ کہ مدت متعین کردی جائے اور پھلوں کا جزو شائع بیان کردیا جائے تو یہ جائز ہے، الغرض جزو عمل کو بطور اجرت طے کرنا حاجت ناس اور تعامل کے سبب جائز کہا گیا ہے۔

قال أبو حنيفة المساقاة بجزء من الثمرة باطلة وقالا جائزة اذا ذكر مدة معلومة و سمى جزء من الثمرة مشاعا۔(قدورى : ٤٦٧)

دفع الشجر .... الى من يصلحه بجزء معلوم من ثمره وهى كالمزارعة حكما وخلافا۔ قوله حكما وهو الصحة على المفتى به۔(شامی: ٩ / ٤١٣)

(۳) عقد مضاربت میں بھی ایک فریق سرمایہ لگاتا ہے اور دوسرا محنت کرتا ہے اور نفع کی مقدار تناسب سے طے کی جاتی ہے اور نفع دراصل جزء عمل ہی ہے کیوں کہ جو کچھ نفع ہوگا وہ مضارب کی محنت اور عمل سے ہی پیدا ہوگا؛ لیکن متفقہ طور پر یہ معاملہ فقہاء کے یہاں جائز ہے، وجہ جواز حاجت الناس اور تعامل ہی ہے۔

المضاربة مشتقة من الضرب فى الأرض سمى لأنّ المضارب يستحق الربح بسعيه وعمله وهى مشروعة للحاجة اليها۔(هدايه : ٣/ ٢٦٢)

اتفق أئمة المذاهب على جواز المضاربة بأدلة من القرآن والسنة والاجماع والقياس إلا أنها مستشناة من الغرر والإجارة المجهولة۔(الفقه الاسلامى: ٤/ ٦٢٩)

مذکورہ اختلاف پر مبنی چند اہم قدیم وجدید مسائل

(۱) ایک شخص اپنا جانور دوسرے کے حوالے کرے کہ وہ اس کی پرورش کرے، اور جو بچہ جانور کو پیدا ہو وہ ان دونوں کے مابین مقررہ تناسب کے مطابق تقسیم ہو جائے، جن حضرات نے 'قفیز الطحان' والی صورت کو جائز قرار دیا ہے ان

کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہوگی اور جن حضرات نے اس سے منع کیا ہے وہ اس صورت کو بھی منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جانور کی پرورش کی معروف اجرت کا حقدار ہے۔

ہند و پاک کے علاقہ میں جانوروں کے معاملہ میں جس طرح یہ طریقہ مروج ہے اس کے تحت عرف کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت ہونی چاہیے۔

(۲) قصاب سے جانور ذبح کرایا جائے اور چمڑا بطور اجرت دینا طے کیا جائے۔

(۳) روئی، زیتون اور دیگر پھل توڑنے پر مزدور رکھا جائے اور اس کے لیے توڑے جانے والے پھل اور روئی ہی سے کچھ حصہ کو اجرت مقرر کیا، ہمارے زمانہ میں کھیت کی کٹائی اور پھل توڑوائی میں بھی اسی طرح اجرت مقرر کی جاتی ہے۔(جدید فقہی مسائل، جلد:۴/ ۱۹۶)

امداد الفتاوی میں حضرت اقدس تھانویؒ نے اس نوع کے مسائل میں عدم جواز کا حکم تحریر فرمانے کے بعد بعض مسائل میں جواز کا حیلہ تحریر فرمایا ہے، بعض میں تعامل وغیرہ کی بنیاد پر جواز کا حکم لگایا ہے اور بعض مسائل میں ابتلاءِ شدید ہو تو توسع کی اجازت دی ہے۔امداد الفتاوی سے دو فتوے یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

سوال: (۱۹۰۰) قدیم: ۳/ ۳۴۲۔کھیتی کٹوانے میں آج کل یہی عرف ہے کہ کاٹنے والے کو اسی کھیت کٹے ہوئے سے کچھ دے دیتے ہیں، پس یہ اجارہ بسبب جہالت اور اجرت ہونا اس چیز کا جو اجرت لینے والے کے ہاتھ سے تیار

ہوئی ہے، فاسد ہونا چاہئے، پس اس کے متعلق امورِ ذیل کا جواب ارشاد فرمائیں :ا۔ یہ اجارہ فاسد ہے یا نہیں، اگر نہیں تو دلیل کیا ہے؟ ۲۔ بنا بر فاسد ہونے اجارہ مسطورہ کے وہ اجرت پر کرنے والا اس اجرت کا بعض القبض مالک ہوجاتا ہے یا نہیں؟ ۳۔ بنا بر فاسد ہونے اجارہ مذکورہ کے کوئی حیلہ جواز کا ہے یا نہیں، اس میں عمومِ بلوی ہے اس کا کچھ اعتبار ہوگا یا نہ؟

الجواب: جہالت کی نسبت تو یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ مجہول محض نہیں ہوتا، ایک انداز ہوتا ہے اور جہالت یسیر کو فقہاء نے مواضع کثیرہ میں عفو کیا ہے، اور قفیز طحان کے شبہ کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے بلکہ واقع بھی ہے کہ خواہ عملاً اسی محصود میں سے دے دیتے ہوں، مگر اس کی شرط نہیں ہوتی، حتی کہ اگر یومِ سابق کے محصود میں سے کوئی اسی انداز سے دینے لگے، کوئی انکار نہیں کرتا، اس لیے میں اس میں اس عمل کو جائز سمجھتا ہوں۔

سوال: (۱۹۰۱) قدیم: ۳/۳۴۲، زید نے اپنا بچھڑا بکر کو دیا کہ تو اس کی پرورش کر، بعد جوان ہونے کے اس کی قیمت کر کے ہم دونوں میں سے جو چاہے گا نصف قیمت دوسرے کو دے کر اسے رکھ لے گا، یا زید نے خالد کو ریوڑ سونپا اور معاہدہ کرلیا کہ اس کو بعد ختم سال پھر پڑتال لیں گے، جو اس میں اضافہ ہوگا وہ باہم تقسیم کرلیں گے، یہ دونوں عقد شرعا جائز ہیں یا قفیز طحان کے تحت میں ہے، جیسا کہ عالمگیری جلد پنجم ص: ۲۷۱ مطبوعہ احمدی میں ہے:

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها و ما يكون من اللبن و الثمن بينهما أنصافا فالإجارة فاسدة .

الجواب : كتب إلى بعض الأصحاب من فتاوى ابن تيمية كتاب الاختيارات ما نصة : ولو دفع دابته أو نخلة إلى من يقوم له وله جزء من نمائه صح وهو رواية عن أحمد (ج : ٤، ص: ٧٥، س : ١٤)

پس حنفیہ کے قواعد پر یہ عقد ناجائز ہے، کما نقل فی السوال عن العالمگیریۃ ، لیکن بنا بر نقل بعض اصحاب امام احمدؒ کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے، پس تحرز احوط ہے اور جہاں ابتلاء شدید ہو تو توسع کیا جا سکتا ہے۔

(امداد الفتاوی، جدید۔جلد ۷، ص:۳۰۰-۳۰۲)

موجودہ حالات کے اعتبار سے ایسی ہی چند شکلیں شیخ عبد الرحمٰن الجعلود صاحب نے پیش کی ہیں:

(۴) غیر منقولہ جائداد فی زمانا سنبھالنا اور اسے کرایہ پر دینا اور حفاظتی اخراجات برداشت کرنا مالک کے لیے کبھی دشوار ثابت ہوتا ہے، نیز اسے کرایہ پر دینا اور مستأجر کے ناز ونخرے برداشت کرنا اور اس سے کچھ بھول چوک ہو جائے یا کرایہ دار مکان خالی کرتے وقت کچھ نقصان کر دے؛ ان سب چیزوں کے پیش نظر مالک جائداد ان جائداد کی مذکورہ ذمہ داری کسی فرد کے حوالہ کر دیتا ہے، اور اس ذمہ داری کے عوض کچھ اجرت بھی طے کرتا ہے، عموماً یہ اجرت جائداد سے حاصل ہونے والی منفعت طے کی جاتی ہے، اس میں اس معنی کر کے جزءِ عمل کو اجرت متعین کرنا پایا جاتا ہے۔

(۵) بعض کمپنیاں چاہے وہ اپنا ذاتی پروڈکٹ رکھتی ہوں یا ٹریڈنگ کرتی ہوں؛ وہ اپنی اشیاء مارکیٹ میں لانے کے لیے بعض افراد سے اجرت کا معاملہ

طے کرتی ہیں، جو اس طرح کے امور میں ماہر سمجھے جاتے ہیں، بطور اجرت اس سے حاصل ہونے والے نفع کا حصہ فیصد سے طے ہوتا ہے، اس میں بھی جزءِ عمل کو اجرت متعین کرنا پایا جاتا ہے۔

(٦) ڈرائیور کو کرایہ پر دی جانے والی گاڑیوں کے اجارہ میں کرایہ فیصد کے حساب سے اس طرح طے کیا جائے کہ اتنے کیلومیٹر کے حساب سے اتنے فیصد روپئے ادا کرنے ہوں گے۔ اس میں بھی بطور اجرت حاصل شدہ منفعت کے ایک حصہ کو بنایا جاتا ہے۔

خلاصہ: اصول کا تقاضا یہ ہے کہ جن حضرات کے یہاں تعامل، تعارف، حاجت ناس کی وجہ سے قفیز طحان کی ممانعت فقط 'قفیز طحان' میں ہی منحصر ہے، اور بقیہ صورتیں دائرہ جواز میں آتی ہیں ان کے مطابق یہ تمام صورتیں بھی جائز ہونی چاہئے۔ ہٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

مآخذ ومراجع

	کتاب	مصنف	مکتبہ
١	قرآن کریم	----------	
٢	بخاری شریف	محمد ابن اسماعیل البخاری	ملت دیوبند
٣	مسلم شریف	مسلم ابن حجاج القشیری	فیصل بکڈ پو
٤	ترمذی شریف	محمد ابن عیسی ابن سورہ الترمذی	فیصل بکڈ پو
٥	تکمله فتح الملهم	مفتی محمد تقی عثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
٦	اعلاء السنن	علامہ ظفر احمد عثمانی	ادارۃ القرآن والعلوم کراچی
٧	در مختار	محمد ابن علی المعروف بالحصکفی	زکریا بکڈ پو
٨	حاشیه ابن عابدین	محمد امین الشہیر بابن عابدین	زکریا بکڈ پو
٩	بدائع الصنائع	علاء الدین ابوبکر بن سعود الکاسانی	زکریا بکڈ پو
١٠	شرح مجلة الاحکام	علی حیدر	دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان
١١	شرح المجله	خالد اتاسی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
١٢	مجمع الأنهر	شیخ محمد ابن سلیمان	مکتبہ غفاریہ کوئٹہ
١٣	مبسوط	شمس الدین سرخسی	دارالمعرفہ بیروت لبنان
١٤	البحر الرائق	ابن نجیم المصری	زکریا دیوبند
١٥	منحة الخالق	ابن عابدین شامی	زکریا دیوبند
١٦	المقدمات الممهدات	ابن رشد مالکی	دارالغرب الاسلامی بیروت لبنان

١٧	الأشباه و النظائر	ابن نجیم المصری	دارالفکر دمشق
١٨	التفسيرات الأحمديه	احمد ابن ابوسعید ملاجیون	حقانیہ پشاور
١٩	تبيين الحقائق	جلال الدین بن یوسف زیلعی	زکریا دیوبند
٢٠	حاشية الشبلى	شہاب الدین شبلی	زکریا دیوبند
٢١	رسائل ابن عابدين	محمد امین الشہیر بابن عابدین	داراحیاء التراث بیروت لبنان
٢٢	الموسوعة الفقهيه	-----------	وزارۃ الاوقاف کویت
٢٣	المعايير الشرعيه	هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات الماليه الاسلاميه	منامہ بحرین
٢٤	فقه البيوع	مفتی محمد تقی عثمانی	دارالمعارف دیوبند
٢٥	الفتاوى التاترخانيه	ابن الاعلاء اندرپتی	زکریا دیوبند
٢٦	الفتاوى الهنديه	مرتبہ عہد اورنگ زیب	داراحیاء التراث بیروت لبنان
٢٧	هدايه شرح بداية المبتدى	علامہ برہان الدین بالمرغینانی	بلال دیوبند
٢٨	شرح عقود رسم المفتى	محمد امین الشہیر بابن عابدین	زکریا دیوبند
٢٩	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب	اشرفی دیوبند
٣٠	احكام القرآن	ابوبکر احمد ابن علی الرازی	شیخ الھند دیوبند
٣٢	الوسيط فى شرح القانون المدنى	عبدالرزاق السنہوری	داراحیاء التراث بیروت لبنان
٣٣	لسان العرب	ابن منظور	داراحیاء التراث بیروت لبنان
٣٤	بزازيه على هامش الهنديه	محمد ابن محمد کردری	رشیدیہ کوئٹہ
٣٥	تحفة الاحوذى	شیخ محمد بن عبدالرحمٰن مبارکپوری	داراحیاء التراث بیروت لبنان
٣٦	عنايه على فتح القدير	اکمل الدین بابرتی	زکریا دیوبند

۳۷	الفقه الاسلامی و أدلته	ڈاکٹر وھبہ زحیلی	الہدی انٹرنیشنل دیوبند
۳۸	فتح القدیر	کمال ابن ہمام	زکریا دیوبند
۳۹	تقریرات رافعی	علامہ رافعی	زکریا، دیوبند
٤٠	بحوث فی قضایا فقهیه معاصرة	مفتی تقی عثمانی	دار القلم، دمشق
٤١	المختصر القدوری	ابوالحسن قدوری	بشری پاکستان
٤٢	جدید فقہی مباحث	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ادارۃ القرآن والعلوم کراچی
٤٣	مالی معاملات پرغرر کے اثرات	ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی	ادارۃ المعارف کراچی
٤٤	جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ	ڈاکٹر مولانا زبیر اشرف عثمانی	ادارۃ المعارف کراچی
	انوار رحمت	مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	فرید بکڈ پو
٤٥	فتاوی قاسمیہ	مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	اشرفیہ دیوبند
٤٧	فتاوی محمودیہ	مفتی محمود الحسن گنگوہی	ادارۃ الصدیق ڈابھیل
٤٨	محمود الفتاوی جدید	حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری	جامعہ علوم القرآن، جمبوسر
٤٩	امداد الفتاوی (قدیم وجدید)	مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	زکریا دیوبند
٥٠	جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ صاحب	نعیمہ دیوبند
٥١	فتاوی دار العلوم زکریا	مفتی محمد رضاء الحق صاحب	زمزم پبلی شرز کراچی
٥٢	فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے	----------	ایفاء پبلی شرز
٥٣	فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے	----------	ادارۃ المباحث الفقہیہ، جمعیۃ علماء

٥٤	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ صاحب	نعیمہ دیوبند
٥٦	جواہر الفقہ جدید	مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی	سلمان عثمان اینڈ کمپنی دیوبند
٥٧	فتاوی عثمانی	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	نعیمہ دیوبند
٥٨	اسلام اور جدید معاشی مسائل	"	فیصل پبلی شرز
٥٠	فقہی مقالات	"	زمزم دیوبند
٦٠	احسن الفتاوی	مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی	زکریا دیوبند

شعبۂ تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر؛ سے تکمیل کرنے والے طلبہ کے سندی مقالات

(۱) پرویزی جماعت اور اس کے بانی غلام احمد پرویز (گجراتی)

مفتی ہاشم مانگرولی۔

(۲) مسائل زلۃ القاری۔ (اردو)

مفتی اکرم سوجتروی، مفتی محسن ماتروی

(۳) مسائل مزارعت۔ (اردو)

مفتی ساجد بورسدی۔

(۴) احکام الترتیب۔ (اردو)

مفتی ابرار الحق آنکلاوی، مفتی احمد ہرن گامی۔

(۵) احکام الوالد۔ (اردو)

مفتی طلحہ ایم. پی.۔ مفتی ارقم احمد آبادی۔

(۶) القول المختار فی مسائل القدوری والاختیار۔ (اردو)

مفتی بہاء الدین دہلوی۔

(۷) احکام الام۔ (اردو)

مفتی اظہر الدین پنجابی۔ مفتی طلحہ چھوٹا ادیپوری۔

(۸) اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام۔ (اردو)

مفتی زید احمد آبادی۔